سلسلہ مطبوعات 70

ایشیا کی عہد ساز قیادت (2)

شیخ الہند اور روحِ عصر

مولانا ڈاکٹر محمد ناصر

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سلسلہ مطبوعات (70)

ایشیا کی عہد ساز قیادت (2)

شیخ الہند اور روحِ عصر

مولانا ڈاکٹر محمد ناصر

www.rahimia.org

زیر اہتمام

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان

نام پمفلٹ	....	شیخ الہند اور روحِ عصر
مؤلف	....	مولانا ڈاکٹر محمد ناصر
سلسلہ مطبوعات نمبر	....	70
سن اشاعت طبع اوّل	....	فروری/1910ء
سن اشاعت دوم	....	اپریل/2020ء
زیرِ اہتمام	....	شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان
قیمت	....	

www.rahimia.org

ملنے کا پتہ:

☆رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

PH:00-92-42-36307714 , 36369089

برائے خط و کتابت:

☆پوسٹ بکس نمبر 938، پوسٹ آفس گلگشت، ملتان

تعارف

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن۔ملتان سے شائع ہونے والے پمفلٹ ’’ایشیا کی عہد ساز قیادت‘‘ کا دوسرا حصہ ’’شیخ الہند اور روحِ عصر‘‘ کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن فروری/ 2010ء میں شائع ہوا تھا۔ اس حصے میں تحریک شیخ الہند کی ایک اہم کڑی امام حکمت وعزیمت، داعیٔ انقلاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہ السعید کی جدوجہد کا تذکرہ شامل تھا، جو آپؒ کی حیاتِ مبارکہ میں لکھا گیا تھا۔ ستمبر/ 2012ء میں آپؒ کا وصال ہوگیا۔ یوں تحریک شیخ الہند کا ایک باب مکمل ہوا۔ اس بنا پر اس پمفلٹ میں نظرِثانی کی ضرورت تھی۔ نیز چند اور مقامات پر معمولی اضافہ کیا گیا ہے۔ بالخصوص حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے بعد قافلہ ولی اللّٰہی کے موجودہ رہبر حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری ادام اللّٰہ ظلہٗ علینا بالعافیۃ والسلامۃ کا مختصر تذکرہ بھی اس اشاعت میں شامل کیا گیا ہے۔

محمد ناصر

ناظم؛ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن۔ملتان

www.rahimia.org

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوان
3	تعارف
6	شیخ الہندؒ اور تحریک آزادی
7	زندگی پر طائرانہ نظر
7	شیخ الہندؒ کا لقب
7	بیماری اور جذبۂ عمل
8	مشن سے گہرا لگاؤ
9	حضرت شیخ الہندؒ کی آخری دور کی حکمتِ عملی
9	عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی
13	قومی سیاسی حکمتِ عملی
17	عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا قائدانہ کردار
17	درد کے غم خوار ’’کالجز کے نوجوان‘‘
18	سماج بیزار مذہبیت کی نفی
19	اسلام کا تعارف
20	علما کو تنبیہ

www.rahimia.org

صفحہ نمبر	عنوان
22	شیخ الہندؒ کا وصال
23	سیاسی بصیرت و خدمات کا اعتراف
25	جماعت شیخ الہند
26	حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ
32	جمعیت علمائے ہند
32	جمعیت علمائے ہند کے اغراض و مقاصد
33	معروف ارکان
34	تحریک شیخ الہند اور خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور
40	تحریک شیخ الہند کے پہلے دور کا تجزیہ
41	تحریک شیخ الہند کا موجودہ دور
46	اُمید کی کرن
50	حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی کامیابیاں
51	قافلہ ولی اللّٰہی کے موجودہ رہبر
53	حوالہ جات وحواشی

www.rahimia.org

ایشیاء کی عہد ساز قیادت (۲)

شیخ الہند اور روح عصر

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (1851ء/ 1920ء) کے افکار و خدمات کے بیان و تجزیے کے کئی انداز ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک انداز یہ ہوگا اور عام طور پر اہل قلم اور اصحابِ نظر اسی کو اختیار فرمائیں گے کہ علم و عمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار و خدمات کا جائزہ لیا جائے، لیکن تمام معنوں میں آپ کی ذاتِ گرامی ایک ذات تھی کہاں؟ آپ کا وجودِ مقدس و گرامی مرتبت، علم و ادب، فکر و نظر، مذہب و سیاست، ایثار و عمل، اخلاق و سیرت اور مذہبی علوم و فنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سینکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھا۔ آپ کے وجودِ مقدس سے فیضانِ الٰہی کے سینکڑوں چشمے جاری ہوئے تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی کا ایک خاص دور میں ایک محور ضرور تھا، لیکن اپنے دور میں آپ خود ایک نظام رُشد و ہدایت اور مذہب و سیاست کے مرکز و محور تھے۔

آپ کی دعوت تعمیر فکر سے لے کر انقلاب تک، مسندِ درس و تعلیم اور ذوقِ عمل کی تربیت سے لے کر میدان جہاد و عمل تک، تالیف و تدوین افکار سے لے کر جہادِ لسانی کے ملی و قومی میدانوں تک، مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی سے لے کر بین الملی سطح تک اور مسلمانوں سے لے کر برادرانِ وطن تک، ملکی حالات سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک اور اسلامی دینی دائرے سے لے کر قومی سیاست کے تمام گوشوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ: صرف تفسیر و حدیث، فقہ، اصول منطق و فلسفہ حساب اور معقولات ہی کے بہت بڑے عالم نہیں تھے، بلکہ ان کو ادبیات عربیہ، فارسیہ و اردو، شعر و سخن، اساتذہ فن کے مقالات و قصائد و غزلیات اور مثنویات وغیرہ اس قدر یاد اور اَز بر تھیں کہ سننے والا حیران رہ جاتا اور تعجب کرنے لگتا تھا۔ اسی طرح حضرت کی نظر تاریخ اور سیاسی واقعات پر

وسیع اور گہری تھی۔ ہندوستان کی اقتصادی، معاشی، سیاسی، تجارتی، صنعتی، تعلیمی، انتظامی، جنگی وغیرہ معلومات بھی اس قدر تھیں کہ بڑے بڑے پی ایچ ڈی ڈاکٹر و سیاسیات و تعلیم اور اکنامکس کے پروفیسر ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اخبار بینی اور واقعاتِ عالم پر اطلاع کا بہت شوق تھا۔ بہرحال ان کو انگریزی حکومت اور ہندوستان کے واقعات نے مجبور کیا کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انگریزی استبداد و مظالم کا مقابلہ کیا جائے اور کسی قسم کے خطرے کو بھی مرعوب یا متأثر کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ (1)

زندگی پر طائرانہ نظر

حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کو اگر چند سطور میں بیان کیا جائے تو وہ دینی و ملی، ملکی و قومی اور بین الاقوامی سیاست، دارالعلوم (دیوبند) کی مسندِ درس و تدریس، اصحابِ عمل اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت، جمعیت الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام، ترکی کے لیے ایثارِ وقت و مال، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا سفر کابل، خود حضرتؒ کا سفر حجاز و اَسارتِ مالٹا، ریشمی رومال کی تحریک، خلافت کی تحریک اور ترکِ موالات، ہندو مسلم اتحاد، علمائے کرام اور گریجوایٹ طبقے کے ربط و اتصال پر مشتمل ہے۔ (2)

شیخ الہند کا لقب

جب 15/ مارچ 1920ء کو ساڑھے تین سال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا جیل سے رہائی کا حکم جاری ہوا۔ اور 28/ جون 1920ء کو آپ ہندوستان پہنچے (3) تو بمبئی کی بندرگاہ پر ہزارہا آزادی کے متوالوں نے آپ کا پُرجوش استقبال کیا۔ اس کے بعد خلافت کمیٹی کی جانب سے آپ کی خدمت بابرکت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا اور آپ کو شیخ الہندؒ (The Supreme Leader of India) کا خطاب دیا گیا۔ (4) جو آپ کے اسم گرامی کا ایک جزو بن گیا۔

بیماری اور جذبۂ عمل

ہندوستان واپسی کے وقت اگرچہ آپ کی صحت حد درجہ گر چکی تھی، لیکن مشاغل کا انہماک آپ کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ جسم و جان کو ہلا دینے والی اذیت ناک قید کے بعد

www.rahmia.org

آپ کی سوچ اور جذبۂ عمل کیا تھا؟ اس بابت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نقش حیات میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ اس لمبی مدت کی قید کی مشقتیں برداشت کرکے ہندوستان آئے تو ان کے جذبۂ حریت میں کوئی کمزوری یا کمی نہ تھی، بلکہ ہندوستانی مارشل لاء رولٹ ایکٹ مجریہ 19/ مارچ 1919ء کے کالے قانون(5) کے خلاف 13/اپریل 1919ء کو جلیاں والہ باغ امرتسر میں ایک جلسہ ہوا، جس پر انگریز نے گولی چلائی اور چار سو کے قریب لوگ شہید ہوئے۔ یہ اور اس جیسے اور واقعات اور ترکی مملکت کی تقسیم اور معاہدہ میسورے اور ترکوں کے ساتھ انتہائی بے انصافیوں نے اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ بمبئی میں اُترتے ہی مولانا شوکت علی مرحومؒ اور خلافت کمیٹی کے ممبروں وغیرہ سے حضرت شیخ الہندؒ کی ملاقات ہوئی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ لکھنؤ سے اور مہاتما گاندھی احمد آباد سے، حضرت شیخ الہندؒ کے استقبال کے لیے تشریف لائے۔ ان سے نیز دوسرے لیڈروں سے خلوت اور جلوت میں حالاتِ حاضرہ پر باتیں ہوئیں۔ اس موقع پر آپ نے عدمِ تشدد کا پروگرام ہندوستان کے آزاد کرانے کے لیے ضروری قرار دیا۔(6) اسی طرح جب تحریک ترک موالات شروع ہوئی تو آپ نے خلافت کمیٹی اور کانگریس کی متعین کردہ راہ کی حمایت میں ایک مفصل فتویٰ دیا۔(7)

مشن سے گہرا لگاؤ

حضرت شیخ الہندؒ کو پوری زندگی دینی فکر کے احیا اور آزادئ ہند کے مشن سے جو عشق تھا، اس کا ان کے آخری دور کے حوالے سے مولانا سید محمد میاںؒ نے مؤثر انداز میں نقشہ یوں کھینچا ہے:

حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان تشریف لائے تو مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ کو جوڑوں کے درد کا قدیم زمانے سے عارضہ تھا۔ کثرتِ بول کی شکایت بھی پرانی تھی۔ اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید براں حضرتِ والا کی شب بیداری، ریاضت اور قلتِ غذا، اس کے ساتھ

پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور اپنی جدوجہد کی ناکامی کا صدمہ، ان تمام اسباب کی بنا پر گویا مرض الموت کا سلسلہ مالٹا ہی سے شروع ہوگیا تھا، پھر تقریباً تین ماہ تک راستے کی مشقت اور ہندوستان پہنچنے کے بعد خلقت کا ہجوم، تحریک کی ترقی، مشاغل کی کثرت وغیرہ یہ سب چیزیں اضافۂ مرض کا سبب بنتی ہیں۔ انتہا یہ کہ آپ کو ٹی بی ہوگئی، مگر درحقیقت اس شیخِ طریقت اور شیخِ سیاست کی ہمت و استقلال ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لیے سبق آموز ہے کہ تپ دق کی آخری سٹیج سے چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں، مگر اس حالت میں بھی تحریک کی قیادت کی جارہی ہے۔ اجلاسوں کی شرکت کے لیے سفر ہورہا ہے۔ صدارت فرمائی جارہی ہے۔ **العظمة لله**، عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بسترِ مرگ پر ایک شخصِ فانی کا یہ بے پناہ جذبۂ عمل۔ (8)

حضرت شیخ الہندؒ کی آخری دور کی حکمتِ عملی

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے آخری دور میں تحریکِ آزادی کی حکمتِ عملی کو بالکل ایک نیا رُخ دیا، جو اسلام کے عہدِ اول کی پیروی بھی تھی اور روحِ عصر کا تقاضا بھی تھا۔ آخری دور کی حکمتِ عملی میں چار پہلو نمایاں ہیں:

1. عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی۔
2. قومی سیاسی حکمتِ عملی۔
3. عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا قائدانہ کردار۔
4. سماج بیزار مذہبیت کی نفی۔

1. عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی

مالٹا قید سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ تحریکِ آزادی کو کچھ عرصہ، مسلمہ بین الاقوامی اصول کے تحت اس دور کی عالمی اسلامی طاقت کے تناظر میں مسلح جدوجہد کے طریقے پر چلاتے رہے تھے، لیکن مالٹا سے واپسی کے وقت حالات بدل چکے تھے۔ اب مسلح جدوجہد کے طریقے کو اختیار کیے رکھنا نقصان دہ تھا۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

i۔ برطانیہ جنگ عظیم سے فارغ ہوچکا تھا اور برطانوی حکام کے تکبر اور غرور کا پارہ

www.rahimia.org

حرارت انتہا کو پہنچا ہوا تھا، جس میں امریکا کی ہم نوائی شامل تھی۔ انھیں یقین تھا کہ تشدد کے ذریعے ہندوستانی عوام کے جذبۂ آزادی اور سیاسی سوچ کو وہ دبالیں گے۔

ii۔ ہندوستانی لوگ معاشی لحاظ سے پہلے کی نسبت بہت دباؤ میں تھے۔

iii۔سابقہ حکمتِ عملی میں ترکی سلطنت کے تعاون کا عنصر بھی شامل تھا، جو کہ اب موجود نہ رہا تھا۔

مذکورہ وجوہ کی بنا پر اِسارتِ مالٹا کے بعد اگلے دور کی حکمتِ عملی طے کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے عدمِ تشدد کو بنیاد بنایا۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ اسی حکمتِ عملی پر کاربند رہے۔ ان دِنوں آپ سے جو اہم قومی لیڈر ملے، جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر گاندھی قابل ذکر ہیں، ان کو بھی آپ نے اپنا ہم نوا پایا۔ یہ سب رہنما عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی پر یکسو ہوگئے۔ یوں یہ حکمتِ عملی اجتماعی جدوجہد کی شکل اختیار کرگئی۔اس حوالے سے بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، جس سے تحریکِ مزاحمت کو زبردست تقویت ملی۔

آپ نے عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی کیوں اختیار کی؟ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دوم میں حضرت شیخ الہندؒ اپنے صدارتی خطبے میں اس کی وَجہ یہ بیان فرماتے ہیں:

> آج احتجاج اور مطالبۂ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں، خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں، اگر موجودہ زمانے میں توپ، ہوائی جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلے کے لیے جائز ہوسکتا ہے۔ (باوجود یہ کہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں) تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی شک نہ ہوگا۔ کیوں کہ موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں بندوق، ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔ (9)

اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ہندوستان کے بابائے قوم مہاتما گاندھی نے بھی کہا تھا کہ:

> عدمِ تشدد بزدل آدمی کا کام نہیں یہ بہادروں کا کام ہے۔ (10)

www.rahimia.org

سابقہ تجربات نیز تبدیل شدہ عالمی منظرنامہ کی روشنی میں کہ جب قومی بنیادوں پر ریاستیں وجود پذیر ہورہی تھیں، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے آخری دور میں آئندہ کے لیے عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی لازم قرار دے دی تھی۔ اس تناظر میں موجودہ دور کی کسی تشدد پسند تحریک کو تحریکِ شیخ الہندؒ سے منسوب کرنا' فکرِ شیخ الہند سے ناواقفیت اور حقائق کو مسخ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تحریکات مصر کی اخوان المسلمون اور ان کی ہم نوا جماعتوں کی فکر سے زیادہ متأثر ہیں، جن کو قومی آزادی کی تحریکات کے بالمقابل پروان چڑھایا گیا۔

تشدد پسندی کو فروغ دینے والے زعما کو، باچا خان کے اس تبصرے پر ضرور غور کرنا چاہیے، وہ کہتے ہیں:

> انگریز کہا کرتے تھے ''عدمِ تشدد پر کاربند پٹھان، تشدد کے دیوانے پٹھانوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔''(11)

www.rahimia.org

2008ء رابطہ مدارسِ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی، ملت کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں کی دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے ہر قسم کے تشدد اور دہشت پسندی کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔ واضح اَنداز سے اعلان کیا گیا کہ اسلام ہر قسم کے تشدد اور دہشت گردی کا شدید مخالف ہے۔ اس نے ظلم و تعدی، زور زبردستی، فتنہ وفساد، قتل وخون ریزی، بدامنی و شرانگیزی کو سخت گناہ اور بھیانک جرم قرار دیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف اور وزیر دفاع کے یہ بیانات منصۂ شہود پر آ چکے ہیں کہ پاکستان میں تشدد پسندی اور دہشت گردی کے رُجحانات کے پس پردہ اسباب میں سے اہم سبب جنگ افغانستان تھا۔

بہ قول موجودہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل قمر جاوید باجوہ:

> ہم وہ کاٹ رہے ہیں جو چالیس سال پہلے بویا تھا۔

مزید یہ کہا:

افغانستان میں 40 سال پہلے جو ہوا، اسے جہاد نہیں کہنا چاہیے۔ اور انتہا پسندی کو جہاد نہیں کہنا چاہیے۔

سچائی یہ ہے کہ اس جنگ میں ہماری حیثیت کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ مونہہ کالا کروانے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

سامراج نے اپنے جغرافیائی اور معاشی مفادات کی خاطر اس خطے کو جنگ کی آگ میں جھونکا۔ اس کی کوکھ سے تشدد، بدامنی، افلاس، افراتفری اور معاشرتی ٹوٹ پھوٹ نے جنم لیا۔ یہ اَمر نہایت افسوس ناک ہے کہ اس آگ کو بھڑکانے میں ہمارے مذہبی ذمہ داران نے کلیدی کردار ادا کیا۔ جن بین الاقوامی ساہوکاروں نے کل یہ آگ بھڑکائی، آج وہ اس آگ کو اپنی ترجیح پر بجھانا چاہتے ہیں اور اس کے حق میں انھی علما سے مذہبی فتوے بھی لیتے ہیں، جن سے اِس آگ کو بھڑکانے کے لیے کل فتوے لیے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مذہبی رہنماؤں کی اپنی کیا سوچ ہے؟ اور اس جنگ میں جو لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان کا قتل کس کے ذمے ہے؟ معاصر مذہبی رہنماؤں کا یہ کردار حد درجہ گھناؤنا اور مکروہ ہے، جس وقت سامراجی مفادات کے تحت اس خطے کو آگ کی نذر کیا جارہا تھا' اس وقت حضرت شیخ الہندؒ کے سچے وارث حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اس سوچ اور عمل کی بھرپور مخالفت کی۔ اس جنگ کو امریکا اور روس کی جنگ کا نام دیا۔ پاکستانیوں کو اس الاؤ سے دور رہنے کی تلقین کی، مگر جواب میں انھیں کفر کے فتوؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ تحریکِ آزادی میں خانقاہِ رائے پور کا ہمیشہ مسلمہ کردار رہا۔ اس حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کی جسارت کی گئی تاکہ نسلِ نو علمائے ربّانی سے اپنا تعلق کاٹ لے۔ آج حالات نے حضرت رائے پوریؒ کی رائے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔

الغرض حضرت شیخ الہندؒ کے مخلص اور سچے نام لیواؤں کو اپنا طرزِ فکر و عمل، حضرت رائے پوری رابعؒ کی اعلیٰ سوچ کے مطابق بنانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔ سامراج کے خلاف مکمل کامیابی اسی راہ پر آگے کہیں ہے۔ اور اِس خطے سے سامراج کی مکمل بے دخلی اِسی ولی اللّٰہی قافلے کے ہاتھوں مقدّر رہے۔

2. قومی سیاسی حکمتِ عملی

تحریکِ ریشمی رومال کی کامیابی کا بڑا انحصار بیرونِ ہند بالخصوص سلطنت عثمانیہ کی اخلاقی اور عسکری حمایت پر تھا، لیکن جب انگریز نے لارنس آف عربیہ کی سازشوں کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کو تارتار کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کیا اور شریف مکہ کو ساتھ ملا کر مرکز خلافت سے بغاوت کروا دی تو ترکی کے لیے اپنے حالات کو سنبھالنا مشکل ہوگیا تو وہ کسی دوسرے ملک کی مدد کیوں کر کر پاتا۔ دنیا کے بدلے ہوئے اِن حالات کے تناظر میں حضرت شیخ الہندؒ اس نتیجے پر پہنچے کہ اب ہمیں اپنی قومی آزادی کی جنگ اپنے بل بوتے پر لڑنی ہوگی۔ اب باہر سے کوئی ایک ہماری مدد کو نہ آسکے گا۔

یہ صورتِ حال پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔ اب ہر قوم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھی۔ جنگ عظیم کے پیچھے سامراجی ممالک کا بڑا مقصد خطوں اور جغرافیوں کی بندر بانٹ تھا۔ وہ ایشیا اور افریقا پر پل پڑے تھے۔ ایسے عالم میں کسی ملک کے لیے دوسروں کی مدد کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس بنا پر شیخ الہندؒ کی نگاہِ بصیرت ترکی کو پہلے کی سی قوت کے ساتھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ ترکی خلافت اپنے آخری دَموں پر تھی اور وہ اپنا بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لائق نہ رہی۔ اقوام اور ممالک کے باہمی رشتے ایک نئے سانچے میں ڈھلنے جارہے تھے۔ اس بنا پر ہندوستان اور ترکی خلافت کا پرانا باہمی رشتہ آئندہ قائم نہ رہ سکتا تھا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ترکی، ہندوستان کی پشت پر کھڑا ہونے کی طاقت کھو رہا تھا۔ یہ سب تغیراتِ زمانہ شیخ الہندؒ کی نگاہ میں تھے، بعد کے حالات نے شیخ الہندؒ کی رائے پر صاد کر دیا۔ ترکی کے حصے بخرے کر دیے گئے۔ بعداَزاں دوسرے ممالک کے مسائل میں مداخلت کو بین الاقوامی جرم قرار دے دیا گیا۔ اس بنا پر ضرورت تھی کہ تحریکِ آزادی کو خالص قومی بنیادوں پر چلایا جائے۔ خوش قسمتی سے آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور کا یہود کے ساتھ کیا ہوا میثاق بہ طور نمونۂ عمل موجود تھا۔ اسی میثاق سے رہنمائی لیتے ہوئے آپؒ نے اگلے دور کی قومی حکمتِ عملی تشکیل دی۔

حضرت شیخ الہندؒ، جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دوم میں اپنے اختتامی کلمات میں

تحریر فرماتے ہیں کہ:

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد (آزادی) کے حصول میں مؤید (معاون) بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج (نتیجہ خیز) سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائدین (رہنماؤں) نے کی ہے اور کر رہے ہیں، اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دے گی۔ ادھر دفتری حکومت (انگریز) کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو (بھی) ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم (جیسے انگریز اور آج کل امریکا) خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو، اِن اقوام کے اجتماعی نصب العین کو اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے (دے سکے) گی۔ (12)

یوں حضرت شیخ الہندؒ نے مذہب کے گروہی اور تقسیم انسانیت پر مبنی نظریے کی نفی کر کے اسلام کے انسان دوست تصور پر مبنی قومی حکمتِ عملی کی اہمیت کو اُجاگر کیا اور اس سوچ کی نفی کر دی جو موجودہ دور میں سیاسی مذہب کہلاتا ہے، جس نے معاشرے میں تقسیم، تشدد، دہشت گردی اور گروہیت کو فروغ دے کر اسلام کے روشن چہرے کو دھندلانے کی سعی نامشکور انجام دی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی نظر میں قومی ہم آہنگی اور سماجی مفاہمت کی حکمتِ عملی کو محض سیاسی داؤ پیچ تصور کرنے کے بجائے پائیدار بنیادوں پر قائم رہنا ضروری ہے۔ آپؒ

www.rahmia.org

فرماتے ہیں:

میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوش گوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کر لیجیے اور وہ حدود، وہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے، جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی اُمور میں کسی ادنی امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لیے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں، لیکن محکموں اور ابوابِ معاش (سماجی، سیاسی و معاشی معاملات) میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مزید فرمایا:

اگر فرض کرو، ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیئے یا مسلمان ہندو کی اَرتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کے لیے مہلک نہیں۔ البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظر میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں، اتفاق کے حق میں سَمِّ قاتل (جان لیوا زہر) ہیں۔(13)

حضرت شیخ الہندؒ کی مذکورہ گفتگو کثیر المذاہب معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور افتراق و انتشار سے پاک معاشرے کے قیام کے لیے اسلام کے ابدی اصولوں کی ترجمان ہے۔

3. عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا قائدانہ کردار

برعظیم ہند پر قبضے کے بعد انگریز نے کئی ایسی سازشیں کیں، جس نے اجتماعی سوچ

www.rahimia.org

اور قومی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔ انگریز نے اپنی حقیقی مخالف قوت جماعت علمائے حق کو غیرمؤثر کرنے کے لیے گریجوایٹ نوجوانوں کو علمائے حق سے متنفر اور دور کرنا شروع کر دیا اور بہ قول ایرانی سپریم لیڈر سید علی خامنہ آئی:

انگریز نے ہندوستان میں اسلام کے حقیقی مبلغ دارالعلوم (دیوبند) کے مقابلے میں مغربی رجحانات والا اسلامی مدرسہ (علی گڑھ) قائم کیا۔(14)

یہ صورتِ حال برقرار رہتی تو مستقبل میں قومی آزادی کی تحریک کی کامیابی کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس دوری اور منافرت کا ختم کیا جانا ضروری تھا۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الہندؒ کی حکمتِ عملی آغاز سے یہ رہی کہ جدوجہد آزادی میں علما کے شانہ بشانہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو شامل ہونا چاہیے۔ چناں چہ ڈاکٹر مختاراحمد انصاریؒ، حکیم اجمل خاںؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ اور خان عبدالغفار خانؒ جیسے آزادی پسند آپ کی جدوجہد کے ساتھی رہے۔ حتیٰ کہ جمعیت الانصار کے اجتماعِ عام میں آپ کی دعوت پر علی گڑھ کالج کے اکابر نے بھی شرکت کی تھی، مگر اب حالات اس سے کہیں آگے کا تقاضا کر رہے تھے اور شیخ الہندؒ اپنے نورِ فراست سے دیکھ رہے تھے کہ آج کے دور کی اہم قوت کالج گریجوایٹ ہے اور مستقبل میں نظاموں کے بنانے اور بگاڑنے میں ان کا کلیدی کردار ہوگا۔ اس بنا پر آپ اس طاقت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان نوجوانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے شروع کیے۔ چناں چہ جب تحریک ترک موالات کا اثر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ پر پڑا، تو انھوں نے ایک آزاد نیشنل یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور شیخ الہندؒ کو اس کا صدر بنانے پر اصرار کیا، تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس دعوت کو بلاتامل قبول کرلیا اور حضرت شیخ الہندؒ باوجود سخت علالت اور نقاہت کے 29/اکتوبر 1920ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاح کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ بیماری کی بنا پر خدام نے شرکت سے روکنا چاہا تو فرمایا کہ:

اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو ضرور شریک ہوں گا۔(15)

حضرت شیخ الہندؒ علی گڑھ اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ڈولی میں پڑ کر جلسہ گاہ

www.rahimia.org

تک پہنچے۔ چند منٹ بیٹھ کر خطاب کرنا بھی مشکل تھا۔ مختصر سا خطبۂ صدارت اِملا کروایا، جسے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا۔ اس خطبے کا ایک ایک لفظ آپ کی سیاسی بصیرت، دُور اندیشی اور ملی بہی خواہی پر گواہ اور آپ کی پُرعزم سوچ کا آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطبے کے الفاظ محض مبارک جذبات کا اظہار نہیں، بلکہ اگلے دور کی حکمت عملی کے خدوخال متعین کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے خطبۂ صدارت کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی سوچ اور طرزِ عمل کا اثر ان طلبا اور انتظامیہ پر ایسا ہوا کہ آج تک اس گہری عقیدت اور محبت کی ایک نشانی آج بھی یوں دیکھی جاسکتی ہے، کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی ویب سائٹ کے سرورق پر پہلا نمایاں نام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا درج ہے۔

www.rahimia.org

درد کے غم خوار' کالجز کے نوجوان

حضرت شیخ الہندؒ اپنے خطبے میں مزید فرماتے ہیں:

اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم، سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں، لیکن اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بہ ظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند   گلِ آدم بسر شتند و بہ پیمانہ زدند

ساکنان حرم سرعفاف ملکوت　　　　با من راہ نشین بادہ مستانہ زدند
شکرایزد کہ میان من و اوصلح فتاد　　　　حوریاں رقص کناں ساغرشکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ راعذر　　　　چوں نہ دیدند حقیقت راہ افسانہ زدند

(گزشتہ رات میں نے دیکھا کہ فرشتے میخانہ میں باتیں کررہے تھے' آدمی کی مٹی گوندھ رہے تھے اور اس کا پیمانہ بنا رہے تھے۔ پاک دامنی کے رازداں حرم کے باسی فرشتے میرے ساتھ راہ پر بیٹھے شراب مستی چھلکا رہے تھے۔شکر ہے خدا کا کہ اس نے میرے اوران کے درمیان صلح کرادی۔حوریں رقص کرتے ہوئے شکرانے کے طور پر ساغر انڈیل رہی تھیں' 72 فرقوں کی لڑائی کا بہانہ رہنے دو' جب لوگ حقیقت نہیں دیکھتے تو افسانے کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ (یعنی مدرسہ اور کالج کا اختلاف محض ایک افسانہ ہے ورنہ یہ دونوں اعلیٰ مقاصد کے لیے شیروشکر ہوجاتے ہیں۔)(16)

آج یہ تقاضا شدت سے اُبھر رہا ہے کہ ہمارے مذہبی طبقے کے زعما، حضرت شیخ الہندؒ کے ان خیالات کی روشنی میں اپنے جاری طرزِعمل کا جائزہ لے کر عصری حکمتِ عملی کی طرف توجہ دیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے　　　　کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

4. سماج بیزار مذہبیت کی نفی

دین حق جامع تصورِ حیات کا حامل ہونے کی بنا پر دین و دنیا دونوں میں بھرپور، فعال اور کامیاب طرزِعمل اپنانے کو پسند کرتا ہے۔قرآنِ حکیم اور سیرتِ طیبہ میں جہاں اللہ اور اس کے بندے کے درمیان مضبوط رشتے کے قیام پر رہنمائی ملتی ہے، وہیں انسانوں کے باہمی تعلقات، معاملات اور حقوق کی ادائیگی پر بھی برابر زور دیا گیا ہے۔ سماجی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ اختیار کرنے والوں کو دین اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے۔اسی بنا پر اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ظلم پسند نظاموں میں ردِعمل سے بچنے کے لیے حکمرانوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر فرد کو اس کی ذات کے خول میں بند کر دیا جائے۔ اس کو خودغرض بنا کر اجتماعی ذمہ داریوں

www.rahimia.org

کے نبھانے سے باز رکھا جائے اور مذہب کا ایسا تصور پیش کیا جائے جو لوگوں کو چند مذہبی اعمال تک محدود رکھ کر اسی مذہبی حیثیت میں مطمئن رکھنے کے ساتھ، موجود باطل اور ظالم نظام کے مقابل جدوجہد سے کنارہ کش اور بے گانہ رکھے۔ یہ صورتِ حال حکمران طبقے کے لیے فائدہ مند اور اشاعتِ دین کی راہ کا پتھر ہوتا ہے۔ اس لیے ہر دور کے علمائے حق؛ حکمرانوں کی سازشوں، اجتماعیت گریز سوچ اور جدوجہد سے جی چرانے والے لوگوں سے مخلوق کو آگاہ اور متنبہ کرتے رہتے ہیں۔

برعظیم پاک و ہند میں انگریز نے اپنے ظلم کے شکنجے کو مضبوط رکھنے کے لیے ایسی سوچ کو رواج دیا جو ذاتی نیکی اور انفرادیت پسندی پر مبنی ہو۔ اس سوچ اور رویے کا فائدہ سراسر انگریز کو تھا اور جدوجہد آزادی میں سرگرم علمائے ربانی کو مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ اس لیے شیخ الہندؒ نے حقیقی صورتِ حال کو واضح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دوم 21,20,19/ نومبر 1920ء کے صدارتی خطبے میں شیخ الہندؒ نے جمعیت کے مقاصد کی وضاحت اور بھرپور تائید کرتے ہوئے مذہب کے قنوطی تصور (سماجی کردار سے عاری اور تبدیلیٔ احوال سے مایوسی پر مبنی تصور) کی سختی سے نفی کی، جس کے تحت مذہب صرف چند رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے اور معاشرتی معاملات سے الگ تھلگ اور بنیادی اصلاحِ احوال سے مایوس ہو کر اپنے خول میں بند رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

اسلام کا تعارف

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

اسلام صرف عبادات کا نام نہیں، بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔ ان کے فرائض صرف نماز، روزہ میں منحصر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔

علما کو تنبیہ

آپ نے مزید فرمایا:

جماعت علما جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائدین ہیں ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظرانداز نہ کریں۔ آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں، ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انھیں پر عائد ہوگی۔ علمی تدقیقات کے لیے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں۔ عبادت و ریاضت کے لیے بہت سی راتیں آپ کو بلاشرکت غیرے حاصل ہیں، مگر جو کام کہ جبلِ احد اور میدانِ بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔ (17)

حضرت شیخ الہندؒ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاسیسی اجلاس میں قنوطی مذہب کے حوالے سے تشکیل پانے والے رویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہت سے نیک بندے ہیں، جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا! اُٹھو، اور اس اُمت مرحومہ کو کفار (ظالموں) کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہوجاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔

حالاں کہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاعِ قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ (18)

جن لوگوں کے سامنے یہ کلمات کہے گئے ان پر کیا اثرات مرتب ہوئے، اسے تو وہی جانیں، کیا یہ کلماتِ مبارکہ موجودہ حالات میں بھی ہر سلیم الفطرت انسان کے لطیف احساسات کو مہمیز نہیں دے رہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہماری موجودہ رسمی مذہبی سوچ میں ارتعاش اور تبدیلی

www.rahimia.org

پیدا کرنے کے لیے یہ الہامی الفاظ غور و فکر کا سامان لیے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے یہ خیالات جن آیات سے مأخوذ ہیں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ الخ [19]

(کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو یکا یک ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے، خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی، کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے، جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آ دبائے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔)

جمعیت علمائے ہند کے اجلاس کے اختتامی کلمات میں جمعیت کے اغراض و مقاصد کی توثیق کرتے ہوئے شیخ الہندؒ مزید فرماتے ہیں:

مجھے یہ معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی کہ جسم قوم کی روح جماعت علما نے بعض سیاسی اُمور میں پھر ایک مرتبہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا ہے، جن میں وہ بالکل مردہ سمجھی جا رہی تھی اور جن میں اگر وہ مردہ ثابت رہتی تو اسلامی عزت و وقار کا بالکل ہی خاتمہ تھا۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم و تدین [20] اگر اب بھی عالم اسلام کے خوف ناک مصائب سے آنکھ بند کیے

www.rahima.org

رکھنے کی اجازت دیتا تو آج دنیا ہماری غیرتِ ایمانی اورشرافتِ انسانی دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی۔(21)

شیخ الہندؒ کی حکمتِ عملی کے یہ چار نمایاں پہلو جو اوپر کی سطور میں ذکر ہوئے، شیخ الہندؒ کے آخری دور کی حکمتِ عملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں دورانِ تعلیم شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے جذبۂ جہاد کی جو امانت حاصل کی تھی اس کی حفاظت، اشاعت اور عملی تشکیل کے لیے آپ اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حالات کے جبر نے آپ کے منصوبوں کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی کیں، مگر آپ حالات کی ناموافقت کا عذر کرکے تھک کر بیٹھ نہیں گئے، بجاکہ تحریکِ ریشمی رومال کا منصوبہ اپنی اصل حالت میں حالات کے بدل جانے سے اگرچہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، لیکن تحریک شیخ الہندؒ بہرحال جاری رہی۔ البتہ اس کی نوعیت بدل گئی۔ پہلے یہ قومی آزادی کے لیے خلافت عثمانیہ کے پس منظر میں قومی عسکری تحریک تھی، منصوبے کی ناکامی کے بعد ایک قومی سیاسی تحریک میں تبدیل ہوگئی اور اس کے ممبران جمعیت علمائے ہند، خلافت کمیٹی، مجلس احرار جیسی تنظیموں میں شریک ہوکر آزادی کی سرفروشانہ جدوجہد جاری کیے رہے۔(22)

شیخ الہندؒ کا وصال

حضرت شیخ الہندؒ جسمانی طور پر نحیف ونزار اور کمزور تو تھے ہی، مزید برآں مالٹا کے موذی قیدخانہ کے قیام نے آپ کی رہی سہی صحت پر بھی بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔ آپ 28/ جون 1920ء کو رہا ہوکر جب واپس ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کے جسم میں آزادی کی آگ شعلہ زن تھی اور اس سخت تکلیف کے باوجود آپ ہر اُس کام کو انجام دینے کو تیار تھے جو آزادی کی تحریک میں کسی بھی طرح معاون ہو۔ اس واحد غرض کے لیے آپ نے جامعہ ملیہ کی تاسیس میں اور جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دوم میں شرکت فرمائی تھی لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ مالٹا سے واپسی کے صرف چھ مہینے بعد یہ عظیم لیڈر اور ہندوستانی قوم کا قائد جلیل 30/نومبر 1920ء بروز منگل جمعیت علمائے ہند

کے اجلاس کے صرف نو دن بعد ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ کے مکان پر یہ کہتے ہوئے اس دارِفانی سے رخصت ہو گیا کہ:

مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں، افسوس تو یہ ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں۔ تمنا یہ تھی کہ میدانِ جہاد ہوتا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں، اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا۔ آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئی۔ پاس بیٹھے مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر سورۃ یسین پڑھ رہے تھے، جب یہ لوگ آخیر سورۃ پہنچے تو حضرت نے ذرا آنکھ کھولی اور تصدیق قلبی (دل کے ایمان) کی تائید کے لیے زبان کو حرکت دی اور سورت کے آخری کلمات ''اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ'' (اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) کی آواز پر قبلہ رُخ ہوکر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کرلی اور سہولت سے سانس منقطع ہوگیا اور آپ کی روحِ مقدس تمام اہل اسلام کو یتیم و بے کس چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئی اور رفیق اعلیٰ سے جا کر مل گئی۔ (23)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

سیاسی بصیرت وخدمات کا اعتراف

شیخ الہندؒ کے وصال پر ملک اور بیرون ملک کے اکابر نے آپ کی سیاسی بصیرت و خدمات کا اعتراف کیا۔ ان تمام بیانات کا احاطہ گو ممکن نہیں صرف چند ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آزاد افغانستان کے پہلے حکمران امیر امان اللہ خانؒ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

محمود حسن ایک نور ہے، جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

امیر امان اللہ خانؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر نہایت اخلاص سے بے نظیر شان کے ساتھ مجلس فاتحہ خوانی منعقد فرمائی اور اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

مولانا محمود حسن یک کار را شروع کردند من اورا پورا میکنم۔

کہ مولانا شیخ الہندؒ نے جس کام کو شروع کیا تھا میں اسے پورا کروں گا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ سفر کابل میں شریک اور اس فاتحہ خوانی میں موجود مجاہد آزادی حاجی فیض محمد خانؒ اس فاتحہ خوانی کے احوال میں لکھتے ہیں:

فاتحہ خوانی میں دعا کے بعد شاہ امان اللہ خانؒ نے اُٹھ کر تقریر کی۔ انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> شیخ الہندؒ کی وفات سے مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے اور آپ اور دوسرے علما جن کا مولانا محمود حسنؒ سے گہرا تعلق تھا، میرے دلی ہمدردی کے مستحق ہیں۔ وہ اسلام کی عمارت کے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے، وہ شاید کبھی پُر نہ ہو سکے۔(24)

آزاد ہندوستان کے پہلے نائب وزیر اعظم اور وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جمعیت علمائے ہند کے اجلاس سوئم لاہور (18 تا 20/ نومبر 1921ء) میں خطبۂ صدارت کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر کہا:

> ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے۔ مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دورِ علما کی آخری یادگار تھے۔ ان کی زندگی اس عہدِ حرمان و فقدان میں علمائے حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی ان کا آخری زمانہ جن اعمالِ حقہ میں بسر ہوا وہ علمائے ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ 70 برس کی عمر میں جب ان کا قد اُن کے دل کی طرح اللہ کے آگے جُھک چکا تھا، عین جوارِ حرم میں گرفتار کیے گئے اور جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے۔ یہ مصیبت انھیں صرف اس لیے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام و ملتِ اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انھوں نے حق کے دشمنوں کی خواہشات کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔ درحقیقت انھوں نے علمائے حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علمائے ہند کے لیے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے۔ وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لیے جسم کی طرح موت نہیں۔(25)

www.rahima.org

جماعت شیخ الہندؒ

شیخ الہندؒ کی وفات کے وقت ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں کئی قسم کی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ ان تبدیلیوں کے پیچھے پہلی جنگ عظیم کا بڑا کردار ہے، جو دراصل مغربی ممالک کی حرص و آز کی آگ کا اظہار تھا۔ مغربی ممالک دنیا کی لوٹ کھسوٹ کے لیے علاقوں کی نئی بندر بانٹ کرنا چاہتے تھے۔ اس زمانے میں تمام براعظموں کے جغرافیوں میں اہم تبدیلیاں اسی کا نتیجہ تھیں۔ اور مشرقِ وُسطیٰ میں کراچی کے حدود اربعہ سے بھی کم علاقوں پر مشتمل آمرانہ شاہی مملکتوں کا قیام اسی شیطانی شرارت کا شاخسانہ ہے۔ اس کے بعد سے آج تک مظلوم فلسطینیوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ اسی کے بعد مسلمانوں کے مرکز خلافت ترکی کے حصے بخرے کیے گئے، جس کے اَثرات پوری دنیا بالخصوص مسلمانوں پر بہت زیادہ پڑے۔ مسلمانوں کی اجتماعیت منتشر ہوگئی۔ یہ واقعات وحوادث جو دنیا میں پیش آئے، ان کے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اہم اَثرات مرتب ہوئے۔ یہ صورتِ حال نئی حکمتِ عملی بنائے جانے کا تقاضا کررہی تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی تربیت نے علما اور گریجوایٹس میں ایک ذی شعور حلقہ پیدا کردیا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ، آپ کے تلامذہ و رفقا میں کئی شخصیات نے سیاسی فکروعمل میں امتیاز اور رسوخ پیدا کرلیا تھا۔ نمایاں مثالوں میں مفتی کفایت اللہؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد صادق سندھیؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولانا عبدالرحیم پوپلزئیؒ اور ایسے کئی نام لیے جاسکتے ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات تو آپ کے شاگرد اور تحریکِ آزادی کے عظیم رہنماؤں میں سے ہیں، لیکن اس عہد کے اَکابر سیاست دانوں میں سے کون ہے جو شیخ الہندؒ کے سیاسی افکار سے مستفید نہیں ہوا۔ اور جس نے آپ کے عمل و سیرت سے عزیمت و استقامت کا سبق نہیں سیکھا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور خان عبدالغفار خانؒ تو آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد و اصلاح کر چکے تھے۔ حکیم اجمل خانؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا شوکت علیؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ وغیرہ۔ کون ہے

www.rahimia.org

جو وقت کے اس سیاسی سورج کے نظامِ کشش سے آزاد ہو اور اپنا الگ مرکز ثقل رکھتا ہو۔

اگرچہ علومِ دینی میں دہلی، لکھنؤ وغیرہ میں بعض دوسرے مراکز نور بھی تھے اور ان کے اپنے الگ الگ نظام قمری تھے، لیکن سیاسی روشنی وہ اسی چشمہ نور سے حاصل کرتے تھے۔ سیاست میں انھیں جو پیشوائی اور مقتدائی کا مقام حاصل تھا وہ انھیں شیخ الہندؒ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرنگی محل کے شیخ وقت مولانا عبدالباریؒ، آپ کی بزرگ شخصیت اور سیاسی رہنمائی کے معترف و مداح تھے۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے تبلیغی جماعت کے بانی اور امیر کی حیثیت سے عالمگیر شہرت پائی۔ آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے دستِ حق پر بیعت جہاد کر چکے تھے۔ علمائے لاہور اور لدھیانہ میں سے اکثر ایک الگ فقہی مسلک رکھنے کے باوجود سیاسی میدان میں ان کے رہنما بھی حضرت شیخ الہندؒ تھے۔(26) حاجی ترنگ زئیؒ اور ان کے رفقا میں سے بالخصوص مولانا سیف الرحمٰنؒ جو قندھاری افغان ہیں، جیسے غیور مجاہد جنھوں نے آزاد قبائل علاقہ یاغستان میں تحریکِ آزادی کو جاری رکھا۔ یہ سب شیخ الہندؒ کے چشمہ فیض سے ہی سیراب ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

جماعتِ شیخ الہند میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا نام نامی نمایاں اور امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ آپؒ ہمیشہ جماعت شیخ الہندؒ میں کلیدی کردار کے حامل رہے ہیں۔ چناں چہ جمعیت الانصار کی نظامت سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ کے ایما پر نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ادارے کا قیام اور شیخ الہندؒ کے حکم پر سفر کابل آپ پر حضرت شیخ الہندؒ کے غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ کا مظہر ہے۔ انگریز کے چنگل سے نکلنے کے لیے آخری دور میں جمعیت علمائے ہند (جس کا اگلی سطور میں تذکرہ ہوگا) نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ جمعیت علمائے ہند کی یہ اجتماعیت، ثمرۃ التربیت، جمعیت الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا تسلسل اور نتیجہ تھی۔ ان سب اجتماعیّتوں میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا قائدانہ کردار رہا ہے۔ جمعیت علمائے ہند کے اکثر رہنما آپ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور پیچیدہ مسائل کے حل میں آپ سے رہنمائی لیتے تھے۔

www.rahimia.org

اس ضمن میں سربراہ جمعیت علمائے ہند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے آپ کا ربط وضبط اصل حقیقت کو اُجاگر کرتا ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں ''نقش حیات'' لکھتے ہیں، جو آپ کی آپ بیتی کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی حالات اور زندگی کے مشاہدات و تجربات پر بصیرت افروز تجزیہ وتبصرہ پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں حضرت مدنیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک، آپ کے اعتماد یافتہ مخلص لوگوں اور ان کی گراں قدر خدمات کو ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحبؒ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص فدائی اور نومسلم شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک خدمت میں رہے تھے۔ سمجھ اور حافظہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کا اور ہمت واستقلال بے نظیر، قدرت نے عطا فرمایا تھا۔(27)

حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی گہری اور مضبوط مناسبت کے ضمن میں ایک جگہ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں:

الغرض حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان (مولانا سندھیؒ) کو بالکل اپنا ہم خیال اور ہم عمل بنا لیا۔(28)

یعنی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت سندھیؒ فکروعمل کے لحاظ سے ایک ہوگئے تھے اور دونوں میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ غور کیا جائے تو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے حوالے سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی یہ بہت بڑی شہادت ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی عملی جدوجہد میں بے مثال قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم آزادیٔ ہند کے نصب العین پر کابل بھیجے گئے، جس مقصد اور نصب العین کے لیے اس جلاوطنی کو ان کے واسطے حضرت شیخ الہندؒ نے مقرر فرمایا تھا وہ پھولوں کی سیج نہ تھی، بلکہ نہایت کٹھن اور کانٹوں سے بھری ہوئی وادی تھی، جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ اور مصائب کا اَنبار تھا۔ مولانا موصوف نے جس جواں مردی اور

www.rahimia.org

مستقل مزاجی سے ہلاکت سے بھری ہوئی مصیبتوں کو جھیلا ہے اور ملک و وطن اور تمام ملت ہندوستانی اور مسلمانوں کے لیے جدوجہد کی ہے وہ صرف ان کا حصہ تھا۔

اس سفر عزیمت کی مشکلات کا تذکرہ کر کے حضرت مدنیؒ، حضرت سندھیؒ کی ثابت قدمی کی بابت یہ گراں قدر جملے تحریر کرتے ہیں:

مگر انھوں نے مایوسی کو راہ نہ دی اور نہ ان کا قدم ڈگمگایا۔[29]

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ان پر شکوہ الفاظ میں تذکرہ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی کتاب ''نقش حیات'' میں کیا ہے، جسے آپؒ نے حضرت سندھیؒ کی وفات کے تقریباً 9 سال بعد 1953ء[30] میں مکمل کیا، جس سے حضرت مدنیؒ کی نظر میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے حقیقی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مدنیؒ کی طرف سے حضرت سندھیؒ کے آخری دور کے افکار کے لیے سندِ اعتبار کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ لوگ جن کو حضرت سندھیؒ کے افکار میں جھول نظر آتا ہے ان کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں وہ خود سامراجی پراپیگنڈا کا شکار تو نہیں ہوگئے، اور مکروفریب سے ایک عظیم مسلم سکالر کے افکار عالیہ سے انھیں دور کیا جارہا ہو۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انھیں اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے قائم مقام مانتے تھے اور اپنی پختہ رائے کو آپ کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے۔ چناں چہ مکہ مکرمہ سے اپنی واپسی کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے خطبۂ صدارت اجلاس علمائے صوبہ بنگال کلکتہ منعقدہ 3/جون 1939ء کلکتہ میں فرماتے ہیں:

> حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ العالی میرے استاد شیخ الہند قدس سرہٗ کے قائم مقام یعنی ثانی شیخ الہندؒ ہیں، اگر مولانا حسین احمد میری واپسی کی خواہش ظاہر نہ کرتے تو میں بہ مشکل اس اَمر پر راضی ہوتا کہ گورنمنٹ ہند سے واپسی میں سہولت پہنچانے کے لیے درخواست کروں۔[31]

حضرت سندھیؒ اور حضرت مدنیؒ کے باہمی اعتماد کے کئی ایک واقعات ہیں۔ حضرت

www.rahima.org

سندھیؒ کی برعظیم آمد کے بعد حضرت مدنیؒ نے ایک خط میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو لکھا کہ اپنے بڑے صاحب زادے مولوی حبیب اللہ کو اپنے ساتھ اور دوسرے بیٹے مولوی عبیداللہ انور کو حضرت سندھی کے ساتھ مامور کریں۔ جب کہ وہ اس وقت مظاہرالعلوم سہارن پور میں زیرِتعلیم تھے۔ یوں وہ مختلف اسفار میں ہم راہ رہے۔ اسی طرح حضرت سندھی نے مولانا عبیداللہ انور کو حضرت مدنی سے قلبی ذکر سیکھنے کی ھدایت کی اوران کو بالآخر دارلعلوم دیوبند میں داخل کرایا' جہاں انھوں نے حضرت مدنی سے دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ (32)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنی مجالس میں حاضرین پر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا بہت اعتماد بڑھایا کرتے تھے۔ حضرت سندھی 1944ء میں انتقال کر گئے تھے۔ ۱۳۶۵ ہجری/ 1946ء کا رمضان حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے رائے پور میں کیا تھا۔ چناں چہ 18/ اگست 1946ء کی ایک مجلس میں آپ کے سامنے حضرت سندھیؒ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا:

میں نے تو حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے تو اب میرے خیال میں یہ (تجزیہ) ہے کہ مولانا کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی، مگر بات صحیح کہتے تھے۔ ...... حضرت شیخ الہندؒ جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔ (33)

ایک موقع پر آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''شاہ (ولی اللہ دہلویؒ) صاحب کے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کوئی خواہ مخواہ معتقد نہ تھے۔ شاہ صاحبؒ متأخرین میں زبردست علوم کے حامل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر معاملے میں بڑے بڑے علوم عطا فرمائے تھے۔'' (34)

قریب زمانے کے ممتاز محدث اور استاذ العلما مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ایک بلند فکر و ہمت شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

www.rahimia.org

> **الذکی الفاضل مولانا شیخ عبیداللہ سندھی صاحب الھمۃ العالیۃ والعزیمۃ الراسخۃ خدم القوم والملۃ برھۃ من عمرہ والان یقضی حیوتہ بمکہ زادھااللہ تکریما ومنعہ الحکومۃ الحاضرہ من العوداالی الھند.**[35]
>
> (مولانا عبیداللہ سندھیؒ باصلاحیت، تیزفہم اور ایسے بلند ہمت اور پختہ عزم وحوصلہ والے انسان ہیں، جنھوں نے عمر کا ایک حصہ قوم وملت کی خدمت میں صرف کیا ہے اور آج کل مکہ مکرمہ میں قیام فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے عزوشرف کو بڑھائے۔ موجودہ حکومت انھیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہیں دے رہی۔)

ایک موقع پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ذہن میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں منفی خیالات نے جگہ پالی، جس کا اِظہار انھوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے سامنے کیا۔ تو حضرتؒ نے حضرت بنوریؒ کو مخاطب کر کے ارشادفرمایا:

> حضرت مولانا! حضرت (مولانا عبیداللہ) سندھیؒ ایسے نہیں تھے، جیسا کہ لوگ ان کے بارے میں تاثر دیتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کے بلند افکاروخیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں، یہ اور بات ہے، لیکن حضرت سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکروعمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔[36]

بعض لوگوں کو جب آپؒ کی باتیں سمجھ نہ آسکیں تو انھوں نے آپؒ پر طعن وتشنیع کی زبان کھولی تو اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپؒ کا بھرپور دفاع کیا۔ ایک مضمون ''مدینہ'' بجنور کی اشاعت کے موقع پر آپؒ نے فرمایا:

> حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمودحسنؒ) جس (مولانا عبیداللہ سندھیؒ) کی تعریف کریں، مَیں ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سمجھ اور علم بہت گہرا تھا۔ حضرت (مولانا حسین احمدؒ) مدنی بے شک بڑے بزرگ ہیں، مگر جو

www.rahimia.org

بات حضرت شیخ الہندؒ میں تھی، وہ بہت گہری تھی۔ لہٰذا مولانا عبیداللہ (سندھی) کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے مَیں تو مولوی عبیداللہ صاحب (سندھی) کو ایسا نہیں سمجھتا، جیسا عام نکتہ چین یا بعض حضرات فرماتے ہیں۔ (37)

شعبان ۱۳۰۷ھ/ اپریل 1890ء کے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں آپؒ نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ امتحان میں مولانا سید احمد دہلویؒ مدرّس اوّل نے حضرت سندھیؒ کے جوابات کی بڑی تعریف کی اور یہ فرمایا:

''اگر اس کو کتابیں ملیں تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔'' (38)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی وفات پر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی زیر صدارت جمعیت علمائے ہند کے اجلاس (سہارن پور) منعقدہ 6,5,4/مئی 1945ء میں یہ تعزیتی قرارداد منظور کی گئی:

> جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاسِ عام حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ کے انتقال پُرملال پر اپنے دلی رنج وغم کا اِظہار کرتا ہے۔ حضرت مولاناؒ علوم دینیہ کے ایک فاضل جلیل ہونے کے علاوہ تحریک آزادیٔ وطن کے ان مقتدر علم برداروں میں سے ایک ممتاز فرد تھے، جنھوں نے آزادیٔ وطن کے لیے ہر قسم کی بیش بہا جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور اس راہ میں پورے استقلال وثبات قدم کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک نہایت انبساط اور کشادہ دلی کے ساتھ مشغول رہے۔ ان کی وفات سے محبانِ آزادی و فداکارانِ ملت و وطن کی صف میں جو جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا بہ ظاہر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی تربت مقدسہ ''قبرمبارک'' کو اپنی رحمت کی بارش سے سیراب فرمائے۔ (39)

واضح رہے کہ اس اجلاس میں مولانا فخرالدینؒ، مولانا احمد سعید سحبان الہندؒ، مولانا محمد میاںؒ، مولانا سید بادشاہ گل سرحدیؒ، مولانا محمد داوٗد غزنویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ،

www.rahimia.org

خان عبدالصمد خان اچکزئیؒ (بلوچستان) مولانا مفتی محمد نعیمؒ اور مولانا عبدالحق سندھیؒ جیسی شخصیات نے شرکت کی تھی۔

جمعیت علمائے ہند

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس دور میں وطنی آزادی کی تحریک نے ایک نیا موڑ لیا تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلح جدوجہد کے بجائے، عدمِ تشدد اور سیاسی تدابیر کے ساتھ تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ جماعتِ شیخ الہند اس تمام صورتِ حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد جمعیت علمائے ہند کے نام سے علمائے حق کی اجتماعیت کو نئی شکل دیتی ہے۔ اس جماعت کے بانیان اور سرکردہ رہنما' وہی لوگ تھے جو پچھلے دور میں ثمرۃ التربیت کے قیام سے لے کر تحریک خلافت تک آزادیٔ وطن کی خاطر کردار ادا کرتے رہے۔

جمعیت کے زعمائے کرام عام معنوں میں پیشہ ورقسم کے سیاست دان نہیں تھے۔ وہ عالمِ دین تو تھے، لیکن تنگ نظری اور مذہبی تعصّبات سے کوسوں دور تھے۔ وہ کھلے ذہن اور آزاد فکر کے مالک اور روشن خیال تھے۔ جمعیت علمائے ہند کا وجود ہندوستان میں مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے اتحاد کی علامت تھا۔ اس کا قیام کانگریس اور لیگ کے درمیان فکروتوازن کا نقطہ اعتدال تھا۔

جمعیت کی تاریخ طویل مدت پر پھیلی ہوئی ہے۔ غیر رسمی تاریخ اس کے قیام سے کم وبیش 40 برس پہلے 1880ء ثمرۃ التربیت کے قیام سے شروع ہوتی ہے اور اگر اس کے پس منظر کو تلاش کیا جائے تو پہلی نظر دارالعلوم دیو بند کے قیام پر پڑتی ہے اور اگر اس سے اوپر نظر اُٹھایے تو 1857ء کے حوادث کے بعد بزرگانِ دیو بند کے افکار ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ (40)

جمعیت علمائے ہند کے اغراض ومقاصد

28/دسمبر 1919ء بروز اتوار جمعیت علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس زیرِ صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ امرت سر میں ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب پہلی جنگ عظیم کے بھیانک نتائج ہر جگہ محسوس کیے جا رہے تھے۔ بالخصوص اہل ہند انگریز کی

www.rahimia.org

مکارانہ پالیسیوں اور دھوکوں سے عملاً آگاہ ہو چکے تھے۔ بنابریں ایک سیاسی بیداری تھی اور پورا ہند تبدیلی کا خواہاں تھا۔ شیخ الہندؒ سے وابستہ کئی علما کانگریس کی قومی آزادی کی تحریک میں شریک تھے، لیکن علما نے اس قومی جدوجہد میں شرکت کے ساتھ محسوس کیا کہ مذہبی اُمور کی حفاظت اور سیاست میں ان کا الگ تشخص قائم رہنا ضروری ہے۔ اس مقصد کی خاطر جمعیت علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیت کے اغراض و مقاصد بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہیں۔

i. دینی اور مذہبی اُمور کا تحفظ۔

ii. قومی جدوجہد آزادی میں مؤثر کردار۔

جہاں تک پہلے اَمر کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے اسلام کے درست اور صحیح نظریات کی وضاحت، ملت اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکم شرعیہ کا قیام، مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی اُمور پر سیاسی رہنمائی دینا جیسے اہم اُمور جمعیت علمائے ہند کے پیش نظر تھے۔

جب کہ دوسرے پہلو کے لحاظ سے وطنی آزادی کے لیے ہر اس قوت اور اجتماعیت سے اشتراکِ عمل تھا جو انگریز سے چھٹکارا پانے میں مخلص ہونے کے ساتھ، قومی مسائل کے حل کے حوالے سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول پر یکسو ہو، جس میں مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی و ملکی ضروریات مقصود تھیں۔ کیوں کہ انگریز مذہبی حقوق میں دانستہ عدمِ توازن کے ذریعے فرقہ واریت پھیلا کر اپنا اقتدار مضبوط کر رہا تھا۔ اس بنا پر دین کی روشنی میں صحیح (سیاسی اور سماجی) رہنمائی کی ضرورت تھی کہ دینی تقاضوں کے لحاظ اور تکمیل کے ساتھ قومی آزادی کی جدوجہد کو مؤثر انداز سے آگے بڑھایا جائے۔ مذکورہ دونوں پہلوؤں کا بنیادی مقصد دینِ حق کی روشنی میں ہندوستانی سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی مسائل کا ایسا حل تھا کہ ہر حق دار کو حق مل جائے اور کسی پر زیادتی بھی نہ ہو۔(41)

معروف ارکان

اس جماعت کی خصوصیت یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر اہم علاقے اور صوبے کو نمائندگی

www.rahmia.org

دی گئی تھی اور اس میں ہر طبقۂ فکر اور خواص کو شامل کیا گیا تھا۔ البتہ عام مسلمین کو اعزازی ممبر بنایا گیا تھا۔ اس جماعت کے معروف ارکان یہ تھے۔

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امیر شریعت مولانا محمد سجادؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، مولانا عبدالماجد بدایونیؒ، مولانا محمد معین الدین اجمیریؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ۔ (42)

علاقائی نمائندگی کے حوالے سے دیگر معروف ارکان یہ تھے:

ممالک متحدہ آگرہ اودھ سے: مولانا محمد فاخرؒ الہ آبادی، مولانا محمد سلامت اللہؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا مظہرالدینؒ۔

بنگال سے: مولانا منیر الزماںؒ، مولانا محمد اکرم خانؒ۔

بہار سے: مولانا رکن الدین داناؒ، مولانا خدا بخشؒ۔

سندھ سے: مولانا عبداللہؒ، مولانا محمد صادقؒ، مولانا پیر تراب علیؒ۔

پنجاب سے: مولانا سید داؤد غزنویؒ، مولانا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی، مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ۔

بمبئی سے: مولانا عبدالمنعمؒ، مولانا سیف الدینؒ، حکیم ابو یوسفؒ اصفہانی، مولانا عبداللہؒ

جمعیت علمائے ہند میں ملک کے جید، ممتاز علما اور آزادی پسندوں کا انفرادی حیثیت میں جہاں کردار ہے، وہیں ملک کے معروف مکاتبِ فکر نے بھی بھرپور کردار ادا کیا جن میں مدرسہ دیوبند کے فضلا کے علاوہ فرنگی محلی، بدایون اور علمائے اہلحدیث کا بطورِ خاص ہمیں تذکرہ ملتا ہے۔ (43)

تحریک شیخ الہند اور خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

تحریک شیخ الہند کی بنیادی حکمتِ عملی اکثر و بیش تر خانقاہِ رائے پور میں طے ہوتی رہی۔ اور اگر کہیں دوسری جگہ اہم فیصلے ہوئے تو ان میں مشائخ رائے پور شریک رہے۔ اس بنا پر تحریک شیخ الہند اور خانقاہِ رائے پور ایک ہی حقیقت کے دو رُوپ ہیں۔ جمعیت الانصار جو کہ تحریک شیخ الہند کی ابتدائی مگر اہم کڑیوں میں سے ہے۔ اس کے اصول و قواعد اور مقاصد

کے تعین کی مجلس میں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ شریک تھے۔(44) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تحریک شیخ الہند کے لیے کوئی حکمتِ عملی طے ہوگئی ہو یا کسی حکمتِ عملی پر کام شروع ہو چکا ہو اور مشائخ رائے پور اس سے بے خبر ہوں، بلکہ خانقاہِ رائے پور کے ہر مسند نشین نے ہمیشہ تحریک شیخ الہند کے جاری کاموں کی بھرپور تائید و حمایت بلکہ اس کے حق میں اپنی تمام توانائیاں صرف کی ہیں۔ اور اپنے متعلقین کو ان کی استعداد کے مطابق شریک عمل کرتے رہے ہیں، مگر عام کتب اور مجالس میں تحریک شیخ الہند اور خانقاہِ رائے پور کے اس تعلق کا تذکرہ اس لیے کم ملتا ہے کہ مشائخِ رائے پور کے ہاں ہمیشہ اخفا پیش نظر رہا ہے۔(45) اس بابت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تحریر لائق مطالعہ ہے:

> حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اگرچہ اپنے شیخ قطبِ عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ اور شیوخ متقدمین کی تقلید و اتباع میں اپنے لیے ایک گوشۂ عزلت کا انتخاب کیا تھا اور بہ ظاہر صرف سلوک و تربیت سے تعلق رکھا تھا، لیکن انھوں نے اس گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر اپنے اسلافِ کرام کی طرح متعدد دینی تحریکوں اور خدمتِ دین اور حفاظتِ اسلام کے مختلف اہم کاموں کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی تھی، جن کی تاریخ و روئیداد کا بڑا حصہ آپ کے جذبۂ اخفا اور کارکنوں کی بے توجہی سے اس وقت تک پردۂ اخفا میں ہے اور بہت جستجو اور تلاش و تحقیق سے اس کی کچھ کڑیاں دست یاب ہوسکتی ہیں۔(46)

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا باہمی تعلق چوں کہ ذہنی، فکری اور تحریکی پس منظر رکھتا تھا، اس لیے یہ فکری اور عملی تعلق خانقاہِ رائے پور کا لازمی جزو بن گیا اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بعد بھی خانقاہِ رائے پور تحریک آزادی میں بھرپور کردار ادا کرتی رہی۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے جانشین مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اس فکر و عمل کو محض سطحی نظر سے نہ دیکھا، بلکہ مکمل طور پر جذب کر کے اپنے شیخ کے اتباع میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لیا۔ آپ فنا فی الشیخ کے مقام پر فائز تھے۔ قطب عالم

www.rahimia.org

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے آپ کا نام ہی نہیں بدلا کہ ''غلام جیلانی'' سے ''عبدالقادر'' رکھ دیا، بلکہ خصوصی توجہات و عنایات سے آپ کے قلب و قالب، جسم و دماغ، فکر و عمل اور جہد و کردار تک کو بھی بدل ڈالا۔ اور آپ کے تمام رنگ کو اُتار کر اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں تک کہ آپ شیخ کے ہم شکل اور ان کی عملی مثال بن کر اپنے شیخ کے جانشین ہوئے۔ اور ان اُمور کو جاری کیے رہے جنھیں آپؒ کے شیخ نے اختیار کر رکھا تھا۔

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے انتقال کے وقت حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں قید تھے۔ اس وقت تحریک شیخ الہند کے عملی کاموں کی رہنمائی اور نگرانی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کر رہے تھے۔[47] شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اپنے انتقال سے پہلے یہ ذمہ داری شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو سونپ گئے۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے وصالِ مبارک کے بعد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ بہٹ کے نزدیک ''پیلوں'' ضلع سہارن پور میں قیام فرما تھے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ مختلف اُمور پر تبادلۂ خیال ہوا۔ دورانِ گفتگو مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ نے پوچھا کہ ''شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے شیخ الہند والے کام کی ذمہ داری کسے سونپی'' تو اس موقع پر شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور دیگر حاضرین مجلس خاموش رہے۔ سب نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ یہ ذمہ داری بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہی کی ہے۔[48]

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ان کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور شارح افکار شاہ ولی اللہؒ اور تحریک شیخ الہندؒ کے ممتاز رکن حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ایک مشترکہ واقعہ بتاتا ہے کہ تحریک شیخ الہند کی یہ وراثت مکمل طور پر خانقاہِ رائے پور میں منتقل ہوگئی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

1928ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ادائیگی حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو آپؒ نے جاتے ہی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ملاقات کے لیے آپ کو تلاش کروایا، لیکن فوری ملاقات نہ ہوسکی۔ بعد میں حضرت سندھیؒ نے رات کو آ کر حضرت اقدس رائے پوریؒ سے خود ملاقات کی۔ یہ ملاقات بھی بڑی عجیب تھی۔ طویل

www.rahimia.org

عرصے کے بعد دو ایسے جُدا ہونے والے باہم مل رہے تھے کہ جنھوں نے آزادی کی جدوجہد میں قربانی دیتے ہوئے یہ جدائی قبول کی تھی۔

حضرت سندھیؒ نے حضرت رائے پوری ثانی قدس سرہٗ سے فرمایا کہ آپ سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ نے تمام حضرات کو اُٹھا دیا اور حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کو جو کہ اس وقت خادم کی حیثیت میں ساتھ تھے، اشارہ کرکے بیٹھے رہنے کا فرمایا۔ جب سب لوگ باہر چلے گئے تو حضرت سندھی قدس سرہٗ نے حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی طرف دیکھا کہ یہ بھی باہر جائیں، لیکن حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ان کا تعارف کرایا کہ قطب عالم حضرت اقدس عالی رائے پوریؒ کے یہ نواسۂ حقیقی ہیں اور یہ بھی اس راز کے امانت دار ہیں۔ غرض کہ تخلیہ میں ان تین حضرات نے گزشتہ تمام تحریکات کا تجزیہ کیا اور اس سلسلے میں جو مشکلات درپیش رہیں ان پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور آئندہ اکابرین کے مشن پر کام کرنے کے اِمکانات کا جائزہ لیا گیا اور مشکل حالات اور پیچیدہ ماحول کے باوجود آنے والے دور میں راہِ عمل نکالنے کے لیے جس حکمتِ عملی کی ضرورت تھی، اس کے لیے غور وفکر کیا گیا۔

(اس ملاقات کا نتیجہ تھا) کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ہندوستان واپس تشریف لانے کے بعد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے فکروعمل کو پھیلانے کے لیے جو کاوش کی اور جس مدبرانہ اَنداز میں یہاں کے معروضی حقائق کا تجزیہ کرکے آئندہ کے لیے لائحہ فکروعمل تجویز کیا، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ نے اس کی بھرپور تائید کی۔ یہاں تک کہ اپنے خصوصی مرید اور معتمد خاص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ (خسر حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ و نانا حضرت شاہ سعیداحمد رائے پوریؒ) کو بطورِ خاص حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے پاس بھیجا کہ ان کی خدمت میں رہ کر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کی کتابیں پڑھیں اور حضرت سندھیؒ کی مدبرانہ سیاسی بصیرت سے استفادہ کرتے ہوئے آئندہ کے لیے کام کرنے کا لائحہ عمل اور سیاسی مہارت کو سمجھیں۔ چناں چہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ نے

حضرت سندھی قدس سرہٗ سے خوب استفادہ کیا۔ (49)

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ اپنے شیخ و مربی قطب عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کے نقش قدم پر ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ حضرت عالی جیؒ اپنے سیاسی خیالات، جذبۂ جہاد اور انگریز دشمنی میں چوں کہ حضرت شیخ الہند ؒ کے ساتھ تھے اور آپ نے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو بھی وصیت فرمائی تھی کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ساتھ دیتے رہنا اور سیاسیات میں انھیں سے رجوع کرنا اور مشورہ کی ہدایت بھی فرمائی تھی۔ مالٹا سے واپسی کے بعد جب تک حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ زندہ رہے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ان ہی کو اپنا سیاسی مقتدیٰ مانتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد تحریک شیخ الہند اور خانقاہِ رائے پور کا یہ سلسلہ پہلے کی طرح قائم اور مضبوط رہتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے عملی وارث حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مل کر کام کرتے رہے۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے متعلقین میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حضرت اقدس مدنیؒ اپنے متعلقین اور دیگر حضرات کو رائے پور بھیجا کرتے تھے اور شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے متعلقین کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ مل کر سیاسی کام میں شرکت کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس بنا پر آپ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ اور حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب کو خاص طور پر حضرت مدنیؒ کے ساتھ کام کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے نزدیک دارالعلوم دیوبند کے مرکز میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسا جامع آدمی اور کوئی نہ تھا۔ اس دور کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں:

> ہمارے اس دور میں قحط الرجال ہے۔ کوئی جامع آدمی نہیں۔ دیوبند میں بھی عرصے سے صرف ایک ایک آدمی چلا آتا ہے، مگر شکر ہے کہ دیوبند ابھی خالی نہیں ہوا۔ حضرت مدنی جامع آدمی ہیں اور کوئی ہمیں نظر نہیں آتا۔ عرض کیا گیا

www.rahimia.org

کہ حضرت مدنی تو لوگوں کو حضرت (آپ) کی طرف بھیجتے ہیں، فرمایا: دوسروں کی دولت زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ یہ حضرت مدنی کی نیک گمانی ہے۔ ورنہ ہم میں کیا رکھا ہے؟ پھر فرمایا: آدمی بڑی مشکل سے بنتا ہے۔ (50)

قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ نے ایسے پُر آشوب دور میں یہ کام سنبھالا۔ جب کہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں صحیح فہم و بصیرت کے حامل اور اعلیٰ سیاسی شعور رکھنے والے علمائے ربانیین اور قوم پرست رہنمایانِ ملت کے لیے صحیح نہج پر کام کرنا انتہائی مشکل بنا دیا گیا تھا اور مسلمانوں کی رہنمائی کے ایسے دعوے دار پیدا ہوگئے تھے جو اسلام کے لبادے میں ظالم سامراج کے سیاسی و معاشی فکروعمل کو پھیلانے اور سرمایہ پرستی کے نظام کو غالب کرنے کے لیے کام کر رہے تھے اور یوں اسلام کا نام استعمال کر کے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے گروہی اور طبقاتی مفادات کو حاصل کرنے میں مصروف عمل تھے اور اس کے لیے ہر طرح کے مکروفریب اور سازشوں سے کام لے رہے تھے۔ ایسے مشکل اور پیچیدہ ماحول میں آپ نے انتہائی اولوالعزمی سے کام کرتے ہوئے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی بنیادی دعوت فکروعمل اور مرکزی موضوع میں کوئی تبدیلی قبول نہ کی اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے قائم کردہ صحیح فکروعمل پر انتہائی صبرو استقامت سے کام کرتے رہے۔ (51)

تحریک شیخ الہند کے کام سے گہری مناسبت اور عملی کاموں میں شرکت کا نتیجہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے کئی اعتماد یافتہ لوگ آپ سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کرتے ہیں۔ ان ناموں میں ایک نمایاں نام حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خصوصی شاگرد مولانا خواجہ عبدالحی فاروقیؒ شیخ التفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ہے۔ (52) یہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے قریبی رفقا میں سے ہیں۔ انھیں تحریک ریشمی رومال میں کرنل کا عہدہ حاصل تھا۔ (53)

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا مزاج دین اسلام کے تمام شعبوں شریعت، طریقت اور سیاست میں تربیت، نگرانی اور سرپرستی کا رہا ہے۔ اسی لیے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے بعد ان کے جانشین قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ نے بھی اپنے مشائخ کرام کے مزاج کے مطابق اپنے متعلقین کی ان تینوں شعبوں میں بڑی

جامعیت کے ساتھ تربیت اور انتہائی تدبر کے ساتھ نگرانی اور پورے فہم وفراست کے ساتھ سرپرستی فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مزاج عالی خانوادۂ ولی اللّٰہی اور ان کے سلسلہ عالیہ کے اگلے دور کے مشائخ ''گنگوہ'' اور ''رائے پور'' کا رہا ہے۔اس کا پورا پورا عکس حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کی ذات قدسی صفات میں دیکھا جاسکتا ہے۔آپ نے انتہائی مشکل، پیچیدہ اور منافقانہ ماحول میں اکابرین مشائخ کے مزاج عالی کومحفوظ رکھا۔(54) حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے سیاسی افکار ونظریات کی ہمیشہ قدر کرتے اور لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ایک موقع پر بعض مفاد پرستوں نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار توڑ مروڑ کر پیش کیے تو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے دل میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں میل آ گیا۔ حضرت بنوریؒ نے حضرت سندھیؒ کے بارے میں اپنے اس تأثر کا اظہار حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے سامنے ایک مجلس میں کیا تو حضرت والاؒ نے حضرت بنوریؒ کو مخاطب کرکے فرمایا:

حضرت مولانا! حضرت سندھیؒ ایسے نہیں تھے، جیسا کہ لوگ ان کے بارے میں تأثر دیتے ہیں۔حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے ہیں۔ان کے بلند افکار وخیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں یہ اور بات ہے، لیکن حضرت سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکروعمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔(55) آپ ہمیشہ حضرت سندھیؒ کا ذکر بہت بلند الفاظ سے فرماتے اور ان سے منسوب اعتراضات کی نفی فرماتے تھے۔

تحریک شیخ الہند کے پہلے دور کا تجزیہ

عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ تحریک شیخ الہندؒ اپنے دورِاول میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کرسکی۔اس کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

یہاں ایک خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ شکست کیسے کھا گئے! ہم اپنی پرانی ذہنیت

سے اس شبہ سے بہت متأثر رہے اور رو کر یا کسی کو دو چار جلی کٹی سنا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتے تھے، مگر دورانِ سیاحت جب ہمیں یورپ کی انقلابی تحریکوں کے مطالعے کا موقع ملا تو یہ اصول سمجھ میں آیا کہ ایک اعلیٰ انقلاب کے لیے متعدد بار شکست کھانا' چنداں بعید نہیں۔ خود اسلام کی ابتدائی تاریخ میں باہمی خانہ جنگیاں پیدا ہوتی رہیں۔ یہ چیز اصل میں انقلابی تحریک کے لوازم میں سے ہے۔ اس کے بعد ہم مطمئن ہوگئے کہ اگر شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ایک بار شکست کھا گئی تو یہ حقیقت میں تحریک کی شکست نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم نے اپنے دیوبندی اساتذہ کے کام کو شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا دوسرا دور قرار دیا۔ اس دوسرے دور کو ہم مولانا شیخ الہندؒ کی وفات پر ختم کرتے ہیں۔ اس دور میں بھی تحریک شکست کھا چکی ہے، مگر وہ اپنے نتیجے میں تیسرے دور کے لیے بنیاد تیار کر گئی ہے اور میں اسی امید پر زندہ ہوں اور مجھے اس تحریک کی آخری کامیابی میں کسی قسم کا شبہ وتردد، دامن گیر نہیں۔ (56)

تحریک شیخ الہند کا موجودہ دور

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریک شیخ الہند کے تیسرے دور کا آغاز شیخ الہندؒ کی وفات سے شروع کرتے ہیں۔ اس دور کا ایک حصہ 1947ء تک چلا اور پھر اس خطے سے انگریز کے چلے جانے کے بعد ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ برعظیم ہند دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک وہ حصہ؛ جس پر انڈین گورنمنٹ قائم ہوئی اور دوسرا وہ حصہ جس پر پاکستان قائم ہے۔ ان دونوں علاقوں کے لیے آئندہ کیا حکمتِ عملی ہو، تحریک شیخ الہند کے سامنے یہ ایک اہم سوال تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت شیخ الہند نے اگلے دور اور نئی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بیدار مغزی اور جواں ہمتی کا ثبوت دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے ہندوستانی نظام کے بگاڑ پر، ہندوستان کے غلام ہونے کی صورت میں ولی اللّٰہی جماعت نے موقع بہ موقع بہتر سے بہتر ممکنہ حکمتِ عملی بنائی۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہند

www.rahimia.org

ؒ کے افکار اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکارِ عالیہ و گراں قدر تجربات، خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے جانشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو منتقل کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی اسی جامعیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپ کے بارے میں یہ گراں قدر جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''مولانا سعید احمد تو واقعی سعید'' ہیں۔(57)

وہ اساتذہ کرام جن سے آپ نے کسب علم کیا۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا خدابخش صاحبؒ، حافظ مقصود احمد صاحبؒ اور قاری ولی محمد صاحبؒ سے قرآنِ حکیم حفظ کیا۔ مولانا محمد اشفاق صاحبؒ سے چند کتب اور اپنے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔ اکثر کتب کا آغاز بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ الیاس دہلویؒ سے کروایا جاتا تھا۔ حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹیؒ سے جلالین اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوریؒ جامعہ رشیدیہ والوں سے مشکوۃ شریف پڑھی۔ آخر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی سرپرستی میں علوم کی تکمیل کی۔ اس دوران مولانا احمد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم اور اس دور کے دیگر اساتذہ سے بھی پڑھا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ دورانِ تعلیم آپ سے خصوصی شفقت اور عنایات کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کا کھانا ہمیشہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے گھر سے آتا رہا۔ حضرت شیخؒ نے آپ کو ہمیشہ معزز مہمان کی حیثیت میں رکھا۔ دیکھنے والوں کو خیال گزرتا تھا کہ آپ حضرت شیخؒ کے صاحب زادگان میں سے ہیں۔ ان خصوصی عنایات کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے زمانے اور ان کی وفات کے بعد آپ کے متعلقین بالخصوص تبلیغی جماعت کے سربراہان آپ کو نمایاں حیثیت دیتے رہے۔ 2007ء میں جب حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، رائے پور میں قیام فرما ہوئے تو حضرت مولانا زبیر الحسنؒ اور حضرت مولانا محمد طلحہؒ آپؒ کی زیارت کے لیے رائے پور تشریف لائے، تو راقم الحروف اور مجلس میں موجود سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا زبیر الحسنؒ نے اپنے سر سے اپنی ٹوپی اُتاری اور حضرت اقدس رائے

www.rahimia.org

پوریؒ کے ہاتھ مبارک پکڑ کر اپنے سر پر رکھ لیے اور ہاتھوں کا بوسہ لیا اور بہت عاجزی اور نیازمندی سے دعا کی درخواست کی اور جب تک حضرتؒ والا کی معیت میں رہے، بہت خوشی، محبت، مسرت اور عقیدت کا اِظہار کرتے رہے۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی ذہنی اور فکری تربیت دو حضرات شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کی نگرانی میں ہوتی ہے، لیکن آپؒ کی ذہنی ساخت کے بننے اور سنورنے میں خانقاہ عالیہ رائے پور کی مجموعی فضا کا اصل کردار ہے۔ خانقاہ رائے پور کا جغرافیہ کچھ ایسے ہے کہ مشرق میں نہر بہہ رہی ہے اور شمالاً جنوباً دو برساتی ندیاں بہتی ہیں، جو خانقاہ کے بالکل قریب مغرب میں جا کر مل جاتی ہیں۔ یوں تو یہ جغرافیہ بہ ظاہر ایک نہر اور دو ندیوں کا نقشہ ہے۔ حقیقت میں قدرت کی طرف سے صالح فکروعمل کی مختلف عملی شکلوں کے ایک جگہ آ کر جمع ہونے کا اِظہار ہے۔

واقعاتی اور حقیقی صورتِ حال ایسی ہی ہے، اس لیے کہ خانقاہ رائے پور وہ مرکز ہے جہاں ہندوستان کے چوٹی کے علما، محدثین، صوفیا، آزادیٔ ہند کے ممتاز قائدین کا اکثر آنا جانا اور قیام رہا۔ حضرت شیخ الہندؒ، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے علاوہ سینکڑوں علمائے آزادی یہاں آ کر یا تو مشورے کرتے، آزادی کا پروگرام ترتیب دیتے یا کسب فیض کے لیے حاضر ہوتے۔

اس جنت نظیر ماحول میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اس وقت پہنچتے ہیں کہ جب آپ لگ بھگ پانچ، چھ سال کے بچے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ بچپن ہی میں آپ سے جدا ہوگئیں اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپ کو اپنا بنا لیا اور اس طرح اپنا بنایا کہ ماں کی ٹھنڈی آغوش ثابت ہوئے۔ خانقاہ میں والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ بھی ہوتے تھے، مگر تعلیم و تربیت حتیٰ کہ دُنیوی ضروریات اور مصارف کے ذمہ دار اور نگران بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ خود بن گئے۔ تزکیۂ نفس اور

www.rahimia.org

کمالاتِ باطنی کے تمام مقامات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی نگرانی میں طے کیے۔ بالآخر 1950ء میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپؒ کو اِجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اِجازت و خلافت مرحمت فرمانے سے پہلے بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپؒ پر بہت اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ۱۳۶۷ھ/ 1947ء میں پورا رمضان آپؒ نے حضرتؒ کی موجودگی میں امامت کے فرائض سرانجام دیے۔ حال آں کہ اس رمضان میں خانقاہ کے ممتاز اور جید علما اور بزرگانِ دین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت اُٹھانے کے لیے جمع تھے۔

اس جنت اَرضی کے ماحول میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اکابر کے فکر کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ذریعے سمجھتے اور جذب کرتے ہیں۔ ابھی آپؒ حصولِ تعلیم میں مشغول تھے کہ اس دوران حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپ کے نانا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کے ذریعے ''حزب الانصار'' کے نام سے ایک جماعت بنوائی۔ اس جماعت کے سیاسی، تبلیغی سفر ہوا کرتے تھے، جن کا مقصد اس جماعت کے نوجوانوں کو دین کی جامعیت سے آگاہ کرنا اور اس کے مطابق عملی تربیت دینا تھا تو حضرت رائے پوری ثانیؒ کے حکم پر آپ نوعمری میں اس جماعت کے ممبر بن گئے۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ کی سرپرستی اور اس جماعت کے ماحول میں آپ نے دین کی جامعیت، سیاسی ذوق، انقلابی سوچ اور رائے کی پختگی کا اعلیٰ اور اونچا شعور حاصل کیا۔ اس تربیت اور ماحول نے آپؒ میں بزرگوں کی سوچ سے گہری مناسبت، بلند ہمتی اور جذبۂ عمل پیدا کیا۔ اس جماعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

1939ء میں حضرت اقدس رائے پوریؒ کے ایما پر رائے پور میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ نے ''حزب الانصار'' کے نام سے ایک سیاسی تبلیغی جماعت قائم کی تھی، جس کا مقصد نوجوانوں میں دین کا جامع شعور منتقل کرنا تھا۔ دین کے فرائض سکھانے کے ساتھ ساتھ عملی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ حزب الانصار کے مطبوعہ اغراض و مقاصد کے مطابق درج ذیل اُمور پر تربیت دی جاتی تھی:

1. کلامِ الٰہی کو سمجھنے، سمجھانے اور عقل و حکمت کو کام میں لانا۔

2. خدا کو راضی کرنے کے لیے جہاں تک ہو، نیک بننا اور آپس میں ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنا۔

3. اَمن و انصاف کی عالمگیر حکومت قائم کرنا جو نجات حاصل کرنے میں آسانی پیدا کرے۔

4. نیکی کو سمجھنے سمجھانے، عمل میں لانے اور جماعتی زندگی کو مضبوط اور کامیاب بنانے کے لیے خاص اسلامی جذبے سے جان و مال قربان کرنے کی عادت ڈالنا۔

5. صحیح اور عملی مقصد رکھنے والی جماعت حزب الانصار میں شامل ہو کر اس کے نصاب تربیت پر عبور حاصل کرنے کی جان توڑ جدوجہد کرنا۔(58)

حضرت رائے پوری ثانیؒ اپنے سفر پاکستان کے دوران مجالس میں موجود علمائے کرام کو متوجہ کرتے کہ مولانا سعید احمد کی باتیں سنو۔ حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اپنے شیخ کی توجہ سے دین کی جامعیت اور عصری تقاضوں پر (علما کی مجلس میں) گفتگو کرتے۔ جب بھی کوئی نوجوان حضرت رائے پوریؒ سے بیعت کرتا تو اسے حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے رابطہ رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ جب کہ عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے کو حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے تعلق رکھنے کی تاکید فرماتے۔

یوں خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ذکر و اذکار کے نورانی اثرات، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی اونچی صحبت اور حزب الانصار کی اجتماعی کوششوں کا اَثر آپؒ کے خمیر میں رچ بس گیا اور یہ سب کچھ آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اپنے شیوخ کی نگرانی میں تربیت حاصل کرنے کا آپؒ کا یہ سنہرا دور 60 سال پر محیط ہے، جس دن سے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں آپؒ حاضر ہوئے اس دن سے آخر وقت تک زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے شیوخ اور اکابرین کے مشن کی تکمیل کے لیے آپ وقف کیے رہے۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا بنیادی کام نوجوانوں کو دین حق سے

www.rahimia.org

روشناس کرانا اور ولی اللّٰہی سلسلے کے اہل حق کا تعارف کرانا رہا ہے تا کہ نوجوان مغرب کے سرمایہ پرستانہ نظام کے چکاچوند اور مرعوب کرنے والے ماحول سے نکل کر بصیرت و شعور کے ساتھ دین حق سے منسلک ہو............اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں میں علمائے حق کی خدمات و افکار کے سلسلے میں دل چسپی روزافزوں ہے۔ اور اسی کے ساتھ ان کی تربیت میں علما کی ایک ایسی کھیپ بھی تیار ہوگئی جو مستند دینی مدارس سے فراغت کے بعد ان کی نگرانی میں مصروفِ عمل رہی ہے۔(59)

اُمید کی کرن

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جس تیسرے دور کے آغاز اور اس کی کامیابی کی اُمید باندھے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی ذمہ داری حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ سعیداحمد رائے پوریؒ کے کندھوں پر ڈال کر چلے گئے۔ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فکری اور علمی تربیت کے لیے آپؒ کو اپنے ساتھ 30 سال تک رکھا اور اکابرین کا فکر اور جذبۂ عمل منتقل کرتے ہوئے ایسی شراب طہور آپ کو پلائی کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے حضرت اقدسؒ دن رات ایک کیے رہے۔ آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی کے بعد کی حکمتِ عملی کے مذکورہ چاروں پہلوؤں کو عصر حاضر میں غلبۂ دین کے لیے ناگزیر تصور کرتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ارشادات و ملفوظات اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی دانائی، عالی دماغی، انتھک جدوجہد اور پہاڑ جیسی جرأت و ہمت کی مجسم شکل ماضی قریب میں حضرت اقدسؒ ہیں۔ پیرانہ سالی میں بھی صوفیا کے طریقے پر مسلسل طویل اسفار و مجاہدات کے ذریعے سے صالح سماجی تبدیلی کے لیے روحانی، علمی، شعوری اور فکری تربیت کے ذریعے نوجوانوں میں ولی اللّٰہی فکر منتقل کرتے رہے۔ آپ کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں کالج گریجوایٹ، جس فکرمندی اور ذمہ داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ یقیناً شیخ الہندؒ کی روح خوش ہو رہی ہوگی۔ کیوں کہ شیخ الہندؒ اپنے آخری دور میں ''اپنے فکر کے غم خوار کہ جس میں آپ کی ہڈیاں پگھلی جا رہی تھیں'' اس نوجوان اجتماعیت میں تلاش کر گئے تھے۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے خانقاہ رائے پور کے مشائخ عظام کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سندھیؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت شاہ الیاس دہلویؒ اور تمام اکابر عزیمت و بصیرت کے فکر کے ابلاغ کا حق ادا کر دیا۔ حضرتؒ نے پورے ملک میں باشعور علما اور گریجوایٹس کی ایک ایسی اجتماعیت پیدا کردی جو حضرت شیخ الہندؒ کی آخری تمنا تھی۔ یوں حق کی وہ روشنی جو خانقاہِ رائے پور کے ماحول سے آپؒ کے نفس زکیہ میں منتقل ہوئی تھی، اسے آپؒ نے ایک بہت بڑی اجتماعیت میں نہ صرف منتقل کیا، بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ جس امانت کو علما اور گریجوایٹس کی مشترکہ اجتماعیت میں منتقل کرنا چاہتے تھے اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنے علم اور تجربات کو نئی نسل تک پہنچانے کے لیے مکہ مکرمہ سے جو تڑپ لے کر آئے تھے، اس فریضہ کو حضرت اقدس مدظلہٗ پوری قوت سے سرانجام دیتے رہے اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جو یہ بات کہی تھی کہ:

''ایک وقت آئے گا کہ دنیا رائے پور کے سیاسی کردار سے اچھی طرح آگاہ ہوگی۔''(60)

یعنی لوگ خانقاہِ رائے پور کی سیاسی اہمیت اور اس کے اجتماعیت پرور کردار اور مزاج کو جان لیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے حضرتؒ نے کر دکھایا۔ اس اجتماعیت کو پاکستان میں آج تنظیم فکرولی اللّٰہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے پس منظر پر اگر نگاہ ڈالیں تو ہمیں اس کی جڑ 1961ء میں ملتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے 1961ء کا رمضان خالصہ کالج لائل پور (میونسپل ڈگری کالج عبداللہ پور پل فیصل آباد) میں گزارا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حکم پر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں آپؒ نے اپنی جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کیا۔ 1967ء میں سرگودھا میں نوجوان طلبا کی تعلیم و تربیت کے لیے ''جمعیت طلبائے اسلام'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ 1969ء میں اس کا مرکزی دفتر لاہور منتقل کر دیا گیا۔

اس جماعت نے بہت قلیل عرصے میں فہم و بصیرت رکھنے والی نوجوانوں کی ایک

www.rahimia.org

ایسی صالح اجتماعیت پیدا کردی جو گردوپیش کے حالات پر عقل وشعور کے ساتھ نگاہ رکھنے والی جماعت بن گئی۔ جمعیت طلبائے اسلام کی نمایاں کارکردگی سے متأثر ہوکر اور اس جماعت کے مخالفین کے رَد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بڑے صاحب زادے اور جانشین حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل ایک مختصر مگر جامع تحریر صفحۂ قرطاس کے حوالے کی:

اس پُرآشوب دور میں جہاں طلبا کی اپنے اپنے مقاصد کے تحت بہت سی تنظیمیں ہیں، یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ صحیح مقاصد کے تحت ''جمعیت طلبائے اسلام'' کے نام سے طلبا کی ایک تنظیم قائم ہے، جس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مقاصد میں طلبا کے اذہان میں اسلامی انقلاب لانا ہے اور دوسری بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس جماعت کا سلسلہ نسبت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ سے ہوتا ہوا امامِ انقلاب حضرت شاہ ولی اللہؒ تک جا ملتا ہے۔

اور یہ کہ اس جماعت کے سرپرست اور بانی حضرت مولانا صاحب زادہ سعید احمد رائے پوری ہیں جو کہ قطب عالم شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی امین ہیں۔ مجھے طلبا کی اس جماعت پر پورا اعتماد ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرماوے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے تشتّت اور افتراق سے محفوظ فرمائے۔(61)

جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مذکورہ تحریر کا ایک ایک لفظ نہایت قیمتی ہے۔ اور حضرت اقدسؒ کے فکروعمل اور آپ کی قائم کردہ صالح اجتماعیت پر بھرپور اعتماد کا مظہر ہے۔

تقریباً بیس (20) سال تک جمعیت طلبائے اسلام کے نام سے طلبا کی تعلیم وتربیت کا کام ہوتا رہا۔ پھر 1987ء میں تنظیم فکر ولی اللّٰہی پاکستان کے نام سے اس کام کو آگے بڑھایا گیا۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ چوں کہ دین کی جامعیت اور بزرگانِ دین کے افکارِ عالیہ کی ہمہ جہت ترویج واشاعت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے دینی علوم کی اشاعت کے لیے مزید اداروں کو قائم کیا۔ نوجوانوں میں علوم قرآنیہ کی تعلیم اور ان کی اساس پر تربیت وتزکیہ کے لیے ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ'' (ٹرسٹ) لاہور کا قیام 2001ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس ادارہ کے تحت قائم دینی تعلیمی نظام قرآن کی مستند تفسیر، احادیث نبویہ کی مسلمہ تشریح، فقہ، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات، تاریخ اور حالاتِ حاضرہ پر قرآنی نقطۂ نظر سے تجزیے پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور ان اصولوں کی بنیاد پر نوجوانوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

2003ء میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ سے ملحق مدارس کی تعلیمی ترقی اور معیاری امتحانی نظام قائم کرنے کی خاطر ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے نام سے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، جس کے تحت چار/ چھ سالہ درس نظامی کورس پڑھایا جاتا ہے۔ ادارہ رحیمیہ کی زیرنگرانی ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے تحت ملک کے متعدد شہروں میں ایسے گریجوایٹس جو عملی زندگی میں مصروف ہیں، کے لیے ''علوم اسلامیہ'' کورس کا آغاز کیا گیا۔ اس کورس میں تمام دینی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت نبویؐ، عقائد، تصوف، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات کے ساتھ فلسفہ تشریع اسلامی اور حکمت ولی اللّٰہی شامل کیے گئے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی زیرسرپرستی ایک مطبوعاتی ادارہ ''شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن'' کے نام سے قائم کیا گیا، جس کا بنیادی مقصد اکابرین کی غیرمطبوعہ یا ایسی مطبوعہ تحریرات جو بڑی بڑی کتابوں میں ہیں اور عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں یا وہ معیاری اور گراں قدر تحریرات جو ایک عرصے سے طبع نہ ہوسکی ہوں، کو شائع کرنا ہے۔ اس ادارے نے اب تک ایسی تحریرات پر مشتمل 72 پمفلٹ شائع کیے ہیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور سے تحقیقی سہ ماہی مجلّہ شعور وآگہی اور ماہنامہ رحیمیہ تسلسل سے شائع ہورہے ہیں۔ یہ ادارہ متعدد تحقیقی کتب بھی اب تک شائع کرچکا ہے۔ نیز عزم سیریز اپنے آغاز سے اب تک نامساعد حالات کے باوجود جاری ہے۔ حضرت شاہ

www.rahimia.org

سعیداحمد رائے پوریؒ کی سرپرستی میں قائم ہونے والے ادارے تنظیم فکر ولی اللّٰہی، ادارہ رحیمیہ، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، نظام المدارس الرحیمیہ دراصل تحریک شیخ الہند کا تسلسل ہے۔ مستقبل کا دیانتدار مؤرخ یہ بات ضرور لکھے گا کہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعیداحمد رائے پوریؒ اور آپ کی محنت سے تیار ہونے والی تنظیم فکر ولی اللّٰہی کا نہ صرف برعظیم پاک و ہند بلکہ پوری دنیا کی جدوجہد آزادی میں نمایاں مقام ہے۔

حضرت شاہ سعیداحمد رائے پوریؒ کی کامیابیاں

مجددِعصر، امام حکمت وعزیمت حضرت اقدس مولانا شاہ سعیداحمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید نے فکر ولی اللّٰہی کی اشاعت اور فروغ میں پون صدی کے قریب مسلسل جدوجہد کی۔ حزب الانصار کے قیام 1939ء سے لے کر اپنے وصال 2012ء تک کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر پوری ہمت سے مشن کے فروغ میں مصروفِ عمل رہے۔

اس راہِ عزیمت میں بے شمار رکاوٹوں اور مشکلات کا عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ خوف وحزن اور ملامت سے مستغنی ہوکر مسلسل کام کیا، منزل کو پانے کی لگن غالب رہی۔ للّٰہیت، بے لوث خدمت اور جذبۂ عمل ایسا کہ ماضی کے خیروبرکت کا دور نگاہِ تصور میں سامنے آگیا۔ آپؒ اپنے متوسلین کے لیے قابلِ ذکر ہر دور کی عملی مثال بن گئے۔

کارِحق پر قائم ہر مبارک دور کی قیادت کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ اہل قیادت تیار کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کی کاوشیں اور کامیابیوں کی فہرست قابل رَشک ہے۔ آپؒ کا اصل ھدف دینی وعصری علوم سے وابستہ نوجوانوں کی فکری اور شعوری تربیت کرنا تھا۔ اس مقصد میں اللہ نے آپؒ کو کامیابی دی اور ملک کے ہر کونے میں امام شاہ ولی اللہؒ کے افکار اور تحریک شیخ الہند کا تعارف پہنچانے میں آپؒ کامیاب رہے۔ دینی علوم پر دسترس رکھنے والے علما اور عصری علوم کے حاملین کی ایسی اجتماعیت آپؒ نے قائم کردی جو ہمہ گیر اور مکمل تبدیلی کے لیے مربوط کوششوں میں ہمہ تن مصروفِ عمل ہے۔

اس صالح اجتماعیت کے تربیتی تقاضوں کے تحت علوم قرآنیہ کے عنوان سے عصری ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر سلیبس تیار کیا۔ لٹریچر کی فراہمی کے لیے تحقیقی اور مطبوعاتی ادارے

قائم کیے۔ وابستگان کی تربیت کے لیے لاہور میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے نام سے مرکز قائم کیا۔ رحیمیہ کیمپسز کے نام سے کئی بڑے شہروں میں اس مرکز کے ذیلی مراکز قائم کیے۔

سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ کہ حضرت رائے پوی رابعؒ ایک اہل مرکزی قیادت تیار کرگئے۔ گویا وہ فرد جو اپنی ذات میں انجمن تھا، اس نے ایک ایسی صالح جماعت تیار کردی، جو ولی اللّٰہی افکار پر بصیرت پر مبنی گرفت رکھنے کے ساتھ حالاتِ حاضرہ کی شناور ہے۔ تحریک شیخ الہند کا اصل ہدف غیرفطری، غیرانسانی اور استحصال پسند سرمایہ دارانہ نظام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ انسان دوست اور اجتماع پرور عادلانہ فطری نظام کی تشکیل تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپؒ تحریک شیخ الہند کا فکروفلسفہ اورعصری تقاضوں سے ہم آہنگ حکمتِ عملی اس اجتماعیت کو منتقل کرکے چلے گئے۔ اور چند ایسے گوہرِ نایاب تیار کرگئے کہ قابلِ ذکر معاصر جماعتوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ جو بجاطور پر ؎

ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

کے مصداق ہیں۔ یہ اجتماعیت اداراتی اصول پر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے۔

قافلہ ولی اللّٰہی کے موجودہ رہبر

اللہ کا عظیم احسان یہ ہوا کہ اللہ نے آپؒ کو ایسا جانشین عطا کیا جو دینی علوم یعنی قرآن وحدیث اورفقہ پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ آپ کا خاص امتیاز ولی اللّٰہی اقتصادی، سیاسی، تاریخی اورسماجی افکار میں رسوخ ہے۔ اسلوبِ بیان علمی، مربوط طرز تکلم، پُرجوش اور دِلوں کوموہ لینے والا ہے۔ گفتگو کرتے ہیں تو بیان کیے گئے موضوع پر سامعین کا شرح صدر ہوجاتاہے اور ایسا لگتا ہے کہ دل و دماغ فتح ہوگئے ہیں۔ جذبۂ عمل مثالی ہے۔ اور ابتدا ہی میں پروردگار کی مہربانی سے کامیابیاں مقدر ہورہی ہیں۔ آپ کا نام نامی حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری (**ادام الباری وجودہ علینا بالعافیة والسلامة**) ہے۔

آپ کا نام حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے رکھا۔ آپ پر حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کی خاص نگاہِ کرم رہی۔ آپؒ ہی کی تربیت اور باطنی

توجہات سے آپ کو خداشناسی نصیب ہوئی۔شیوخ رائے پور بالخصوص حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے فیضِ باطن نے آپ پر اپنا رنگ جما دیا۔مزید ترقی اور نکھار کے لیے آپ کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے سپرد کردیا گیا۔حضرتؒ نے آپ کی صلاحیتوں کو چارچاند لگا دیے۔علم وحکمت، حالاتِ حاضرہ پر نگاہِ بصیرت اور اعلیٰ تجزیاتی صلاحیت منتقل کردی۔حضرتؒ نے اپنے آخری دور میں اپنا امامِ نماز بنایا۔مختلف مواقع پر آپ میں خانقاہ کی جانشینی کی صلاحیت کا عندیہ دیا۔غالباً 1992ء میں کشمیر کے سفر میں بنجونسہ جھیل کے کنارے قیام کے دوران راقم کو آپ کی کئی خوبیوں کے تذکرے کے ضمن میں آپ میں اعلیٰ خانقاہی قیادت کے اوصاف کا ذکر کیا، جس سے مستقبل کے قدرتی انتظام کا مفہوم بآسانی سمجھ آرہا تھا۔آپ متعدد کتب کے مؤلف ہیں۔کالجز اور یونیورسٹیز میں عصری سماجی اور علمی موضوعات پر گفتگو کے لیے آپ کو مدعو کیا جاتا ہے۔یونیورسٹیز آپ کے خصوصی لیکچرز سیریز کا اہتمام کرتی ہیں۔گریجوایٹس آپ کی گفتگو سن کر سپاس گزار ہوتے ہیں کہ دینی رہنماؤں میں ایسا جان دار فکر موجود ہے جو عصری مسائل کا حل ہے۔ اور ان میں مستقبل کے خوابوں کی تکمیل کی اُمید کی کرن روشن ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس صالح اجتماعیت کا مفید حصہ بناکر دنیا وآخرت کی کامیابی نصیب کریں۔آمین!

☆............☆............☆

www.rahimia.org

حوالہ جات وحواشی

1. تحریک خلافت، قاضی محمد عدیل عباسی۔ پروگریسو بکس، 40بی اردو بازار لاہور1991ء،ص:48

2. ہفت روزہ خدام الدین، جلد32،شمارہ20، 28نومبر1986ء،مضمون،حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت کے عناصر ترکیبی پر ایک معروضی نظر، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری،ص:15

3. نقش حیات،مولانا حسین احمد مدنی، مکتبہ رشیدیہ ساہیوال،ص:655

4. شیخ الہندؒ کے خطاب کی تجویز مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ نے دی تھی۔ علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں۔ تدوین جدید، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ جمعیۃ پبلیکیشنز وحدت روڈ لاہور 2005ء، ص:251

5. نوٹ: رولٹ ایکٹ میں صاف لکھا تھا کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحریک کو دبانے کے لیے یہ ایکٹ بنایا جاتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت تمام قانونی ضابطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آزادی پسندوں پر اندھادھند مقدمے چلائے گئے اور سزائیں دی گئیں، ستم بالائے ستم یہ تھا کہ ان فیصلوں کے خلاف اپیل بھی نہ ہوسکتی تھی۔

6. نقش حیات،ص:667

7. یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ انگریز سامراج کے خلاف ایک تحریک خلافت 1918ء میں چلی تھی، جب کہ 1924ء کی تحریک خلافت کی برطانوی حکومت نے اس مقصد کے لیے حوصلہ افزائی کی کہ اس کے ذریعے انگریز اپنے دشمن غازی کمال پاشا کے خلاف اشتعال پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس بنا پر حقیقی آزادی پسند رہنما اس دوسری تحریک خلافت سے لاتعلق رہے۔ غازی کمال پاشا کی وفات پر جمعیت علمائے ہند نے دہلی میں اپنے گیارہویں اجلاس (3تا5/ مارچ 1939ء) میں یہ قرارداد پاس کی تھی ''جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس مجاہد اعظم غازی مصطفیٰ کمال پاشا، جو ترکی کے استخلاص اور استقلالِ تام کے روح رواں تھے، کی وفات حسرتِ آیات پر دلی صدمہ کا اِظہار کرتا ہے۔ ان کی وفات سے ملتِ اسلامیہ کا ایک مفکرِاعظم اور مجاہدِاکبر مسلمانوں سے جدا ہوگیا۔ خدا تعالیٰ غازی موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ملت ترکیہ کو احیائے قوائے ملت میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (جمعیت علمائے ہند، دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام، مرتبہ پروین روزینہ، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، 1980ء، 633:2)

8. ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر، محمد سلمان منصور پوری۔ شاہ ولی اللہ دارالمطالعہ، بشیر بلڈنگ، لاہوری گیٹ

www.rahimia.org

گوجرانوالہ، ص:28

9. استعماری مظالم اور ملی تقاضے، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان 1991ء، ص: 26

10. آپ بیتی، باچہ خان کی کہانی خود ان کی زبانی، روہتاس بکس احمد چیر ۵، ٹمپل روڈ لاہور، 1990ء، ص: 189

11. ایضاً، ص:140

12. اختتامی تحریر، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، اجلاس دوئم جمعیت علمائے ہند، 21/نومبر 1920ء، دستاویزات جمعیت علمائے ہند، مرتبہ پروین روزینہ، 74:1

13. ایضا، 75:1

14. مجلّہ التوحید، تہران نمبر ۱۵، رجب شعبان ۱۴۰۵ء/ 1985ء، ص:130,126

15. نقش حیات، ص:676

16. جدوجہد اور نوجوان، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان۔ ص:7 تا 8

17. استعماری مظالم اور ملی تقاضے، ص: 26,25

18. علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں، جمعیت پبلیکیشنز، لاہور، ص 261

19. القرآن: 78,77:4

20. علم اور دین داری

21. استعماری مظالم اور ملی تقاضے، ص:28

22. انقلابی لیڈر، ص:29

23. نقش حیات، ص:87

24. ہجرتِ افغانستان، حاجی فیض محمد خان، تاج کمپنی لاہور 1971ء، ص:30

25. خطبہ صدارت، مولانا ابوالکلام آزاد، اجلاس سوئم جمعیت علمائے ہند، 20,19,18 نومبر 1920ء دستاویزات جمعیت علمائے ہند، مرتبہ: پروین روزینہ، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت۔ اسلام آباد۔ 88:1

26. حضرت شیخ الہند کے عناصر ترکیبی، ص:14

27. نقش حیات، ص:554,553

28. ایضاً، ص:557

www.rahimia.org

29. ایضاً، ص:597

30. ایضاً، ص:692

31. خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علمائے ہند، کلکتہ، 3/ جون 1939ء؛ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی۔ سندھ ساگرا کادمی۔ اردو بازار لاہور، 1996ء، ص:85

32. جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انورؒ، تحریر ڈاکٹر محمد اکمل بر حواشی وتفسیر قرآن عزیز از حضرت لاہوریؒ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1561، کوتانہ سٹریٹ، سوئیوالان، دھلی، ص:56,55

33. ارشادات مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری، مرتب: مولانا محمد عبداللہ بھکر، مکتبہ رشیدیہ، 25 لوئر مال، لاہور، ص:35,34

34. ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری۔ جمع کردہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور، ص:196

35. یتیمۃ البیان، ضمیمہ مشکلات القرآن، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 1937ء، ص:44

36. سرگزشتِ حیات از حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، اردو ترجمہ؛ تحدیث العبد الضعیف بنعمة ربه اللطيف، عربی خودنوشت از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، رحیمیہ مطبوعات رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ لاہور، ص:30

37. ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری۔ ص:132

38. ایضاً

39. تعزیتی قرارداد، اجلاس چہاردھم، سہارن پور، 6,5,4/ مئی 1945ء، دستاویزات جمعیت علمائے ہند، 1981ء۔ 815:2

40. دیکھیے۔ علمائے حق، ص:24,223

41. جمعیت علما کیا ہے؟ مولانا سید محمد میاںؒ، مکتبہ محمودیہ، کریم پارک لاہور، حاشیہ، ص:12

42. علمائے حق، ص:238,237؛ جمعیت علماء کیا ہے؟ ص:14,13,12

43. جمعیت علما کیا ہے؟ ص:106

44. دیکھیے قواعد و مقاصد جمعیت الانصار از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مطبوعہ دیوبند، ص:3

45. اس بابت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا

محمد عاشق الٰہیؒ کی تحقیقات راقم کے مقالہ ''شیخ الہند اور تحریک آزادی'' (میڈیا نمبر 69) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جو شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی طرف سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

46. سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مطبوعہ کراچی، ص:290

47. دیکھیے آپ بیتی، 27:4

48. یہ روایت حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری خلیفہ مجاز شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ و مسند نشین خانقاہ رائے پور سے راقم الحروف نے خود سنی۔ (ناصر)

49. شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مؤلف مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، مکی دارالکتب لاہور، 1998ء، ص:45,44

50. ارشادات حضرت رائے پوری ثانیؒ، جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، مکتبہ رشیدیہ، لوئر مال۔ لاہور، ص:232

51. شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، ص:38,37

52. نفحات طیبہ تلخیص حیات طیبہ، ڈاکٹر صاحب زادہ محمد حسین للہی، مطبوعہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، یوپی، انڈیا، ص:21

53. تحریک شیخ الہندؒ، ص:398

54. شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، ص:69

55. مشائخ رائے پور، مفتی عبدالخالق آزاد، دارالتحقیق والاشاعت، 32 میکلیکن روڈ لاہور 2006ء، ص:138

56. شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، الجمعیۃ اکیڈمی عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور، ص:116,115

57. مجالس حضرت رائے پوری، جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار لاہور 1996ء، ص:191

58. حزب الانصار کے مطبوعہ اغراض و مقاصد از مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، ص:3

59. خانقاہ عالیہ رائے پور، مفتی عبدالخالق آزاد، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان، ص:30,29

60. شاہ عبدالرحیم رائے پوری، ص:211

61. مشائخ رائے پور، ص:191,190

www.rahimia.org

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

☆ شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلوی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی
☆ دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ قرآنی اصول معاشیات	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ ولی اللہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبیداللہ سندھی
☆ اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل	مقبول عالم بی اے
☆ دین کے شعوری تقاضے	شوکت اللہ انصاری
☆ جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسن
☆ اسلام کا اقتصادی نظام	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ ولی اللہی تحریک	مولانا سید محمد میاں
☆ امام شاہ عبدالعزیز	مولانا سید محمد میاں
☆ استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسن
☆ نظام کیا ہے؟	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ تبدیلی نظام کا ولی اللہی نظریہ	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ تبدیلی نظام کیوں اور کیسے؟	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمی
☆ مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین	مفتی سعید الرحمٰن
☆ غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ ثناءِ خداوندی	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ صدائے فکر و عمل	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ ارکانِ اسلام	چوہدری افضل حق مرحوم

www.rahimia.org

پوسٹ بکس نمبر 938۔ پوسٹ آفس گلگشت، ملتان